

آسمان روشن ہے



شیر حیدر

آسمان روشن ہے

کرشن چندر

ہمارے حقوق محفوظ ہیں

نہم کتاب
مصنف
کتابت
سنا شاعت
مطبوعہ
آسمان روشن ہے
کرشن چندر
محمد عارف سہجانی
۲۰۰۰ء
قانون آفیسٹ پرنٹرز سہجانی

قیمت 1 = 100/-

ISBN 88533-09-2

1. ASMAN ROZHAN HAI (NOVEL)
By
KRISHAN CHANDER

Rs. 100/-

AKAVALI PUBLISHER'S
4, Vengal Rao Road, Rajapur
(Near Bhagya Laxmi Apartment)
Sector 9, Rohini Delhi - 110085

آسمان روشن ہے

(ناول) -

اس ناول کے تمام واقعات کردار اور نام
فرضی ہیں۔ مسابقت محض اتفاقاً ہوگی۔
اور اس کے لئے مصنف اور ناشر
بری الذمہ رکھے جائیں گے۔

اراولی پبلیشرز
۲۰۰ روپے ہارڈ کوریٹ۔ رضا پور۔ نزد سہاگ ریکشیا پارک
سیکٹر ۱۵، روہنی۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۸۵

ایسا اس نے بہت سحر و جادو نام لڑی پر بیٹھنے بیٹھتے سوچا اور اسی جادو کی موت ایک غلط فہمیت آئینہ دکھانا کی طرح حسین معلوم ہوئی اس نے پھر کوس کاہیت لکھ ڈال دیا تھا اس کے جہنم کی ان کا ضمیر سے جھگڑے تھے اور اس کے جذبات محنت کے مختلف خیالوں پر لپکتے ہوئے اس میں دیکھے دیکھے سنگ رہے تھے کہ وہ ان سے کہاں کا سادھوں افشا ہوا دیکھ سکتا تھا وہاں — اس طرح مر رہا لیکن عہد ہے — اس نے دل ہی دل میں اپنی خواہش میں کوٹا دی اور نام لڑی پر اچھی طرح دوڑا ہوتے ہوئے اس نے سامنے کے ستوال پر لپٹنے پاؤں کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں آپ بیتی آپ بیتی کل گیا جیسا ہے جھانکتے ہوئے اس کی جھلک بھلا دیکھا تھا اس دن بیٹا رانڈ پیکے ڈالائی ڈاک جیسا میں اس خطام کو کھاتا تھا اس پر مرمت کا کام ہوتا تھا اور یہ کام کئی روز سے جاری تھا یہ میں نے جانا ڈالائی ڈاک چھو کر مر رہی تھانے والا تھا اس لئے میں اس ڈاک خطام کے سکڑاؤ انگیز ملانی نے اس کی موت کی تھی۔ سکڑاؤ انگیز ملانی سے اس کی طاقت بیٹا رانڈ پیکے چوک کے باہر کے ایک اریائی ریترو میں یہ ہوئی تھی۔ دو صوبہ سکول پوری غلامیوں اور غلاموں کے ہوا ایک میز پر بیٹھا ہوا چاکے پی رہا تھا اور کپ لڑا رہا تھا اور سیدھے سادے تھے وہ بیٹا رانڈ پیکے سے وہ واقعات سن رہا تھا جو انہیں دوسری ہندو لگا ہوں میں انہی ملکوں کی ذہنی بند رہا ہوں میں پیش آتے تھے۔ جھٹنے جو بہت سی تھے لیکن زندگی کی لڑن پہنے تھے جو کہ کتاب میں نہیں لکھے جاسکتے لیکن نہیں سننے والے اپنے ذہن میں کئی شے سے ملتی کتاب کے دوس جات سے نہ تو قریب لگا کر لکھنا کھینچنا لیکن کئی کھینچنے غلام نہیں ہونے لیکن کئی دور ایسا سا میں میں کرتا تھا کہ غلامیہ بادوں و شیعہ کی اف پیلیس دلت کا لگان ہوتا ہے کبھی ایسے پچھنے پچھنے کے غلامیہ کی تھو سے انہو سے ہوتے نظر آتے ہیں۔ کبھی ایسے سحر و جادو سے ڈاکو لگاتے والے جہازی کے پرہے کو غلام رو جاتا ہے کہ ایسا غلامیہ اس دنیا میں لگن سے؟ جہازیوں کی دنیا اپنے جہاز پر چن سو فٹ تک لکھو دو اور پچھلے کوسے سکندر کی لڑن پہنے گا بھوتی ہے۔ دوسرے وہ

جہازیوں کی زندگی کے حلقے ایک دھول گھٹنے کی گوشش کر رہا تھا لیکن ایسی تک وہ اس میں موضوع کی شریک رہا تھا نہ کہ سکا تھا اس لئے وہ بار بار بیٹا رانڈ پیکے کے چاکھٹانوں میں دیکھا ہوتا تھا بہت سے جہازیوں سے اس کی دوستی آپ سے تم اور تم سے گولی تک پہنچ چکی تھی۔ جہازیوں کی گولیوں کا ایک جہز انگیز مسوری ہوتی ہے جس پر کبھی تو گولیوں کی تشبیہات اور کبھی چاکھٹانوں کی تشبیہات ہوتا ہے گنگا بار پر گولیوں کھینچتے سنتے اے خیال آتا تھا کہ اگر یہ گولیوں کی تصویروں کی طرح کسی شخص میں دھول کی چاکھٹان تو جہز بہت کے ہر وہ شرم سے اپنا منہ چھپاتے ہیں۔ اس قدر غلامی معلوم ہوں وہ ان گولیوں کے تصوروں کے سامنے مگر عقل و دانش کی اس دنیا کو کیا کہنے کہ وہ ڈال ایسے مسوروں کو تو پختی ہے لیکن ان کی کار جہازیوں کو بے نام و نشان چھوڑ دیتی ہے۔ وہاں تو وہ ایک روز پاسے لائے کہ ایک میز پر بیٹھا ہو جہازیوں کی ایک گولی کو ایک چاکھٹان افشا نہ رہا تھا کہ اس نے غلامیہ کی ایک گولی اس کی کرسی کے چپے کے کھڑا ہو گیا ہے اس نے پلٹ کے دیکھا تو اس ڈپے چھپے والے چھپکے ہوئے گاموں والے سامنے رنگ کے آدمی نے جس کے پرہے پر کبھی کبھی چھپکے کے نشان تھے اسے اشارے سے اپنا افشا و جاری رکھنے کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ فوراً ہی پلٹ کر اپنا افشا و پھر سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے غلامیہ کی ایک کرسی کے کاکس اس کے قریب بٹھا گیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے غلامیہ کی اس کے حوالہ لگاتے میں جہازیوں کو جتنا لطف پہلے آ رہا تھا اب نہیں تھا۔ اس کی بیٹی سکھاپٹوں میں جب گئی۔ سکھاپٹیں ہونٹوں کے کناروں میں چائے لگیں تھوڑی دیر کے بعد جب افشا و ختم ہوا ایک ایک کے سارے جہازی وہاں کس کس گئے۔ اور وہ ڈپے چھپکے آدمی کے ساتھ آ گیا اور اس نے جڑے بیٹھے سے اس آدمی کی طرف دیکھا جس نے اس کو غلامیہ کی شکل دہر دہر کر کر دیا تھا۔ شکل و صورت اور لباس اور طوار سے یہ آدمی ایک افسر لکھا تھا اور جہاز

ایک عمل کروں گا : اسحاق نے اسی طرح بچے ہونے کہا : اسی چیز نے

مقام لاکھنؤ پر کہ چودھویں مارچ ۱۹۰۶ء کے بعد وہاں مختلف مذاہب کے لوگوں کی مشترک چٹائی پر چاروں مذاہب کے علمائے کرام نے ایک اعلان صادر کیا۔

اس وقت کافیج کے ہولے میں دوڑا انھیں بند کے ہوئے بھی اسحاق بیل سے اپنی پہل علاقے کو دیکھ سکتا تھا۔ وہاں صفائی فرشتے پر کڑے تھے گاٹھیں کہیں کے پڑا ہل کے ڈیڑھوں، ڈھبے، بڑے ٹارپک، بال گرو، سوس، سارو، پیر، کلن، اینٹی کڑوں کے حصے، چالوں کے پیچھے سے ٹنگ سی ٹرک پر ایک جہز، ٹانگ کا گھاسی تیزی سے بہانہ کی طرف توجہ تھی ۔ جہاز کے نیچے کے قریب آ کے وہ گاٹھی ٹرک لگی، گاٹھی کا پتہ نکلا اور اس میں سے کچھ بوسہ دیکھیں، پھر گھومیں انھیں اور نہ چنے پر چڑھنے لگیں۔ مشرقی صورت کی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ وہ غفلوں سے اُپر اپنے جسم کا کوئی دستہ دکھائے یا نہ دکھائے، اس کا ہند نہ بھگوان نہ چنے پر چڑھتے ہوئے قلابا دیدہ ہوا ہے کبھی تو وہ اپنی سادھی منہاجی بنے اسے خدا سا اپنے غفلوں کے اوپر کر لیتی ہے۔ پھر کو کچھ گھبراہٹ اس سے اور جلدی سے

شراب نہیں پیتا تھا۔ میں شراب پی کے نہیں شراب پلا کے نوش ہوں تھے۔ بے باک نہیں
 بہت پسند ہے اس نے جڑی خشک سے عین بڑوں کا اٹھا کر کے کیا ہوں۔ بچے! وہ بیل
 کو بے باک کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک لمبی چوڑی قید کے بعد کس طرح اس نے شراب کا
 بندوبست کیا۔ ایک قضا نے لگا کر طرح وہ ایک بار عین میں اپنا ہوا چھوٹے چھوٹے
 بنایا گیا۔ یہ دوسرے قضا جب یہ قضا شروع ہو تو اس نے دوسرے قضا شروع کر دیا۔ کس طرح اس
 کی فرسٹ ایئر سے لڑائی ہوئی کیوں ہوئی دیکھتے ہوئے؟ بلا میں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں
 انجی۔ ہمارے دوسرے اور پر طرح کے تھا تھا تھا بتاتے تھے کہ ساقی کو جیڑی کی پوری
 طینتری سے بیڑے کے لئے نفرت ہوئی۔ بیچ میں ملنا یا با۔ باقی لہری کس طرح کیجئے
 تھا کہ ساقی کو معلوم ہو کہ وہ واقعی کوئی بلحاظ کافی ہوگی نہیں کی ہندو کو کھانا پانی۔ باجی
 اسے اس جیسے سے شہرہ نفرت محسوس ہونے لگی۔ اس کو خیال تھا کہ اس کو دم رکھا ہے جو
 ایک بار تو اسے اچھوٹا کیا۔ مگر میرے ہونے لگا اسے ملنے لپٹے۔ اچھے بہتر پر جو
 دیکھی تھی۔ جہاں سے ساقی نہ آجی۔ نکالے اسے اس وقت دیکھو کہ کیا تھا جیسے وہ اور کچھ دیکھتے
 پہلی منزل کے مکینوں کو دیکھ رہا ہو۔ اس کے دائیں طرف بہت کے ساتھ کھل کوئی تھی جس کے بار
 ایک ڈارن کھنک ہوا نظر آیا تھا۔ ساقی کو بھی بار بار کھانا دیا جس سے بے شک کو کو کھلی ہوئے
 بائیں جانب سے ایک آئینہ نظر آتا تھا جس میں وہ اپنے منہ کی صورت کے منہ دیکھ سکتا تھا۔ ان
 میں نظر نہ فرمات تھا۔ وہ وہ اب تک وہ دھنسنے سے پہلے پہنچ کر گیا ہوتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ کربت پہلی نظر میں نہ ہوتی ہے۔ اگر بڑے بڑے تواترے حید سے نہیں
 قضا سے محبت ہوتی۔ پہلی نظر میں اس نے قضا کو نہیں کیا تھا۔ وہ ایک ایک
 بے حد حید اور تھیں۔ چھوٹے دیکھتے تو ان کو اسے بات کرتی تھی۔ اس پہلے سے ان کے پہلے پہلے
 تھی۔ کبھی اس طرح اپنے آپ کو بات کرتی تھی کہ وہ اسے دیکھ کر کہہ دے۔ یہ وہی معلوم ہوتی
 تھی جھوٹا تو اس میں نام نہ نہ تھا۔ یہ وہی اس کے سہانا یا بار بار بیٹھنے کی خوشی تھی

ملنے کی بات کہ چٹ کے کوئی اپنا قضا نہ کرنے کی کوشش کرتی۔ مگر ملنے کی کیا کی سنبھلنے
 والا تھا۔ وہ اپنی دھن میں بچکے چکا چارہ تھا۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے ہی میں کیوں ٹکٹ کے دھن میں
 سے ہو گیا۔ اور حید کے ایک ہوائی لے کے کیا۔ لونا یا ہر تھیں۔ ہمارے دھن میں سے دم
 گھنٹے کا ہے۔

”چلو ہر ملنے کے لئے فوراً کیا۔“ پہلی ہر گھنٹے کا۔

اساقی اپنی اوچی سیٹ سے کھڑکے کچے کرنا۔ ملنے کی بند کیجی کہ وہ وہ کون وید
 وہ پانچ بار آگئے۔ فوسٹ ایئر میں کچھ کچھ سے تھا کہ کچھ کچھ کو دیکھنے لگا۔ اور کچھ کو
 معلوم تھا کہ وہ کچھ ہوا ہے۔ اس وقت بھی جب وہ کچھ سے گزرا۔ بٹے کے آبی چنگ
 سے کھ کھائی ہوئیں۔ اس وقت بھی انھیں معلوم تھا کہ وہ انھیں گھوڑے دیکھ رہا تھا۔ وہ
 اس طرح بار بار اپنی ساڑھی کو پہنسا پیش ہوا وہ ایک ایک کر کے انھیں کساقی کو گمان ہوا
 کہ ہر وقت ایک آنکھ اپنی گردن کے پیچھے بھی کھتی ہے۔

وہ فوسٹ ایک پر کھنکے تھے جہاں پہلے ہارو دم کو تازہ ہوا ہوا بھالے کے لئے
 بڑے بڑے آئینے مل تھے جس کے اندر گھومتے ہوئے ہر کھنک کا ہر دم شور میں ایک
 ملنے لگا رہتا تھا۔ یہ ایک فرسٹ ایئر بنے ایک کچھ کچھ کے کھنکوں کے دائرہ ایک بچہ شروع
 کیا اور سنا سنا کر اس میں پہلی چنگ سے اپنی آؤچی آؤچی کے کھنکے بچہ بچہ کرنا دیکھتے
 گلی۔ ملنے کی کویت ہوا تھا اس نے اس وقت ملنے سے پہلے ہالے کا ٹھیک لگا۔ مگر کب
 ہائے کیجی میں کو بھی ایک دھواں تھا۔

اس نے اساقی سے کہا: آپ نے ابھی تک جہاز کو نو کھروم نہ دیکھا ہوگا۔
 نہیں دیکھا۔

چیلے کوئی سے پلا کے کیا۔ امی دیکھیں گے۔

وہ گھر پہلے تھا۔ اس میں ساڑھی کھل جھانکے گی۔ آئین اور گھر سے۔

کا جائزہ لیا۔ مگر کے قریب انھیں کواوی تھپے موجود تھا۔ ہانگ کر کے ختم کے اوپر۔ اسحاق خوب ہنسا۔ لڑکھوں نے اسے خوب مستطاعت کی گروہ ہنستا ہی رہا اور ایک بار بھی اس نے سدائی نہیں مانگی۔ ابوتہ ملانی نے بڑی تنیدگی سے انھیں بتایا کہ کس طرف اس نے انھیں پراکرم میں جانے سے منع کیا تھا۔ پھر اس نے گویا پورے جہاز کی طرف سے جنگلے پر لگی ہوئی گریٹ کے لئے سدائی بنائیں۔ اور پھر بڑی مستعدی سے گویا اس میں دو دھڑے کے لئے وہاں غواہیں کو پراکرم میں کی ٹینڈی اس انداز میں بکھانے لگا گویا انھیں آج ہی سکٹہ انجینئر جٹا کے چھوڑے گا۔ جیلڈ بڑے انہماک سے اس کی گفتگو سنتی رہی۔ ابوتہ ٹھہرانے ایک جہد ملی لی اور اسحاق کا ہاتھ پکڑا کے پچھنے لگی وہ کیا ہے؟

”وہ کیا ہے؟“ واصل ایک جہاد تھا۔ اسحاق کو کوٹنے جانے کے ایک طرف لے جانے کا۔ جہاں چند تانے کی ٹنگیوں کے وہی پرویز اور خرمویش کی قسم کے آواز لگے ہوئے تھے۔ اور سائل اور میل بتیاں بھی چلتی اور کبھی گم ہوجاتی تھیں۔

اسحاق نے کہا: ”مجھے کیا معلوم۔ ملانی سے پوچھو۔“
”اور سے وہ تو بڑا ہی ہے۔“ وہ تو خود غواہ ٹیمیں کھدائی میں یہاں آئی۔ پھر میں نے کوئی جہاد بھی اندر سے نہ دیکھا تھا۔“

سنا یا کا ہاتھ اسحاق کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن جب ٹنگیوں میں وہاں پر آئی تو سنا جانے اسحاق کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ٹنگیوں نے بڑی تنیدگی سے آواز کے آواز کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: ”کیا ہے؟“

اسحاق نے وارنڈہ ٹنگیوں کو سہے پاؤں تک دیکھا۔ ایک ٹھیک طرح انہماک ٹنگیوں کے سلسلے اس قدر قریب کوڑی تھی۔ وہ ایک لمبے کے لئے سہا یا کو بھول گیا۔

سب کچھ بھول گیا۔ اپنے اندر گروہ سلا ماحول بھول گیا۔

ٹنگیوں نے اسے طویرت دیکھ کر پوچھا سوال و جواب: ”یہ تمہارا میٹر کیا بتاتا ہے؟“ اسحاق نے کہا: ”دیکھو۔ یہ تمہارا میٹر بتاتا ہے کہ آپ نے کتنی ٹیمیں بنی ہے؟“
”ماورے“ ٹنگیوں نے سکتاے ہوئے دوسرے ہی ویش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر اپنی آنکھیں ٹنگیوں پر اسحاق کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ اس طرح کہ ساری دنیا اس کے گھومتی ہوئی معلوم ہوئی۔

”یہ؟“ اسحاق نے دوسرے ہی ویش کی طرف دیکھ کے بتایا: ”یہ بتاتا ہے کہ ابھی اور کتنی آپ بنا سکتی ہیں؟“

”اور یہاں آئی۔“ ٹنگیوں نے ہانگ کر ٹنگیوں میں پوچھا۔ اس کی سانس اسحاق کے دھماکوں کو چھوڑ دی تھی۔

”یہ خطرے کا نشان ہے۔ جب زیادہ پل لیا جاتا ہے؟“
”خطرہ کیا ہوتا ہے؟“ ٹنگیوں نے ہانگ کر اس کے قریب آئی مگر اسحاق کچھ نہ سکا کرگ اور سے سنا جانے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے پوچھا: ”اور یہ تیسرا ہی ویش کیا بتاتا ہے؟“
”یہ کہ پراکرم میں کواوی کو کوٹا بگڑتا ہے۔“ اسحاق کی آنکھیں خرمویش سے چمک رہی تھیں۔

دونوں ٹنگیاں کھل کھل کے ہنس پڑیں۔ جیلڈ بھی دوڑتے دوڑتے آئی اور لپکیا بات تھی۔ لمبے بھی بتاؤ۔

اسحاق نے کہا: ”کچھ نہیں معلوم۔“ وہ گویا اس کے گھاس کے دھاؤ کے مصلوق سناات کر رہی تھیں۔ اب بھی کیا بتاؤ۔

ملانی بتا لے گا۔ گھاس کو دھاؤ۔ اٹھ کے دھاؤ سے ٹنگیوں پر آتا ہے۔ انھیں کا دلہیم۔۔۔

جمیل گھیر کے بلی : پہلو پر ملیں ؟

”میں خود رکھوں گا۔“

”میری حالت بہت مضطرب ہے۔“

”ضرور ہوگی۔“

”تم اس کو کوڑ دینا۔“

”مذہ رکھوں گا۔“

”بلی پلے۔“

”بلی بلی ہے۔“

”بلی بلی ملانی بنیا“ جمیل نے ٹہے نہ ہوا سر کیمن لیجے میں کہا۔
 شکستہ کی بڑبڑنگ ماس پیلا رڈ پٹر کے پچھواڑے کی حسناں سرخوں پر دوڑنے لگی۔ نوکیروں کی لمبی بٹا شٹ ہو کر آئی۔ وہ جھٹکتے اور گانے لگیں۔ بچل سیٹ پر اس کی جمیل اور سہانا کے سٹیج میں، رخصتا تھا۔ دونوں دیکھیں اس پر مری پڑتی تھیں۔ شکستہ اس کی گردن میں ڈھکی تھی۔ تیخون کا دھن دھاک کے چار پائی سن سے کم نہ ہو گا۔ بڑی بڑی عورت کا وزن بالکل مٹس نہیں ہوتا مگر جو چیز جگہ گھیر کر ہے وزن ضرور رکھتی ہے۔ جو سانس کا اصول ہے مگر عورت کے معاملے میں سانس کے بہت سے اصول جواب دے جاتے ہیں۔ اسحاق سو پھٹا لگا۔ ”شاہ اس کی وجہ پر کرکوت ہو کر ایک سانس ہے نہ اسحاق نے شکستہ سے سوال کیا۔ ”آپ کا ٹاؤن کیا کا کرتا ہے؟“
 شکستہ اس کی گردن میں ڈھکی پھیل پھٹس پھر لڑھکی بولی۔ وہ ٹیٹو گر افروز ہیں۔
 ”تیٹو گر افروز کی بی بی ایک ماں کیسے رکھ سکتی ہے؟ اسحاق نے پوچھا۔
 ”خانا بولی۔“ ”بھئی میں ایک تو بھوت لڑکی اگر چاہتے تو ایک ٹاؤن رکھ سکتی ہے
 برا سے زخمی غمت دے اور اس کے علاوہ اگر وہ زندگی کے ٹوٹ جاتی ہو تو ایک ٹاؤن

ہوا ضرور چھوڑ کر وہ لوگ پرکھیں میں آگئے۔ دعوت گیارہ بجے تک گھینٹی رہی۔
 لوکیوں نے نہیں چک دو تو ملیں محکم کر ملیں مگر ان میں کچھ نہ ہوا۔ اسحاق تو بسکی کی پرت میں چھائی غم کر چکا تھا اور پہلے سے زیادہ ہوشیار تھا۔ بھائی بانی بی بی کہنے میں آیا تھا۔ اس کا چہرہ بال تھا اور آٹھوں میں تو خاک طریقے پر ایک تھی۔ اور وہ اس طرح بار بار میل کی طرف دیکھتا تھا جیسے وہ باتو سے اس کا اپنے دل میں چھپانے کا یا پراسے کوٹ کاٹ کر اپنے پوتے میں بھرے گا۔ لڑکی گر شکل تھی ان ٹھوہوں میں۔ وہ اصل اس کا جہاز میرا کہ اس کی گھٹک سے سلیم ہر بین مڈ میں باہر جانے والا تھا اور اب وہ میری ماؤنگ جمیل کو دیکھ سکے گا۔
 بانی کو دیکھ سکے گا۔ اس کاظم سے کہتا ہے ہاں تھا۔

گیدہ بے کے قریب وہ جمیل کو کہیں سے باز لے گیا۔ چند منٹ کے لئے چند منٹ کے بعد ہی فوراً وہ دونوں واپس آگئے۔ اس کے فوراً بعد ہی ملتی پڑ کر سی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ بھگیا رہی ہے یہاں اس سے چاہا کہ آواز نہیں ہے۔ جہاز پر تھہر نے کہتے پہلے لڑکی کو چھوڑنے کا تار مگر اب میری قریبی خروٹ ہوگئی۔ اسحاق جلد آپ بے بی کو اس کے گھر پہنچا دینا اور ان کی ایم ویرن گرٹ فل۔ ”بھئی؟“

اسحاق تبھی گیا۔ اس نے جیسی غمزدہ چٹائی سے جھٹکی سے مصافحہ کیا۔ اور ملانی نے کہتے وہ کہہ دیا کہ وہ ماہ بعد اسے اپنی حالت سنو رہی مٹا نے گا۔ وہ سنو رہی مگر ڈانڈ

ہمنا تو نہیں ہی مگر ہاں ہی گئے ہیں۔ وہ دراصل مجھ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ مگر انہیں جرات ہی نہیں ہے کہ مجھے باتھ لے سکیں :-

• شاید یہی قصہ اسے ہمنا کی خاطر ہے :-

• نہیں مگر وہ مجھے چوم بھی نہیں تو میں چاروں کی ایسی نفرت ہے مجھے اس کو تو کی سزا

• چاروں سے نفرت ہے اس کے لئے روٹی کیوں ہو؟

• کیا کروں کہ میں نہیں اتنا۔ جب اس آدمی کی بے فوج جنت دیکھتی ہوں تو رونا آتا ہے۔ جب اس کی بڑی صحت دیکھتی ہوں تو میرے منہ کی کھجوریں روک سکتی :-

• غیب عورت ہو :- اسحاق نے کہا۔

• ہاں ہوں تو میں۔ حمید اپنے آنسوؤں میں ہنس پڑی اور اس کے آنسو آنسوؤں سے چھٹک کر روتیوں کی طرح اس کے رخساروں پر ٹپک گئے۔

• اسحاق اپنے زخمی۔ وہاں سے بڑی احتیاط سے اس کے رخساروں سے آنسو ہٹانے لگا۔ جیسے وہ عورتوں کے دل سے ٹپک رہا ہو اور اس کا ہاتھ کاٹنے لگا۔

• اتنے میں انگوٹھوں کوٹ ڈالیا جیسا کہ جیلر دیتی تھی۔

• جیلنگوں کو کٹ میں جیلر کا غلیظ، ایسا تھا۔ جیسا کہ جیلر ایسی لڑکی کو جوتا جاتے مگر رچنے والے کے کھانا کو کھانا بکرتا ہے۔ اور کبھی، چنے والے کو کھانے کے کھانا کو کھانا بکرتا ہے۔ کبھی مگر اور رچنے والا دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھکا اور مختلف غلیظیتیں اور احوال پریش کر تے ہیں۔ ایسے احوال میں نہ تو گردش نظر آتا ہے اور اس میں رچنے والا۔ ایک غلیظ وہ صلابت و اضطراب کی کیفیت، دونوں پر چھائی رہتی۔ لیکن کبھی کبھی یہ دو کھانوں میں طرح طرح کے فکرمندانہ نظرات آتے ہیں کہ جنت ہوگی ہے کہ کھانوں کوں ہے اور کبھی کون ہے۔ جیلر میں غلیظیت میں رہتی تھی وہ ایسا مسلم ہوتا تھا کہ جیلر کے منہ کا ایک حصہ ہے یا جیلر ہے وہ خود اس کھانے کا ایک انسانی بیکری ہے۔ غلیظ میں گھستے ہی ایک چھتا جا بجا نہ نظر آتا

تھا۔ جس کی کھجوریں میں لگے جوئے نگہوں سے اور اسے کھانے کھانے پر ہی تجسس نگاہوں سے آنے والے کو لگتے تھے۔ برآمدے کا فرش غلیظ ہے سے ٹوکرا ہوا تھا۔

• برآمدے کا ایک دروازہ ڈرائنگ روم میں لگتا تھا تو دوسرا بیڈ روم میں۔ یہی حال ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ بیڈ روم لگتا تھا تو دوسرا بیڈ روم کی عوی کے کمرے میں۔ میں نے جیلر کو بچپن سے پالا تھا۔ یہی حال بیڈ روم کا تھا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں لگتا تھا تو دوسرا ڈرائنگ روم میں اور تیسرا بیڈ روم کے کمرے میں جہاں کے بچپن میں دروازے تھے۔ ایک دروازہ کچن میں جاتا تھا دوسرا دروازہ باغ روم کا تھا۔ تیسرا دروازہ کچھوڑنے سے ملازموں یا غلیظ عاشقوں کے داخلے کے لئے تھا۔ اس کی ہیئت دیگر کا سماجی گناہ نہ ہوگا کہ جیلر ایک ایسا گھر ہے جس کے ہیئت سے دروازے جیسا قہور کی چاب برآمدے میں آتے ہیں ختم ہو جاتی تھی۔ اور اس کے بعد وہ جیلر کی اپنے پیچھے پر ہر قسم کے قدروں کی چاب اور اس کی حفاظت جذب کر لیتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں دو دروازے پڑے تھے۔ دو نشیماں درم درم تھیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک غلیظ کے پیچھے پر کچن کی دھلی چالی پڑی ہوئی تھی تاکہ روشنی اور چھٹیوں کے آئے۔ اور ایک آپ بیلوہ و گن مسلم ہو۔ برآمدے میں سامنے ہی ڈرائنگ روم کی باہر کی دیوار پر ایک عورت کی عریاں تصویر تھی جو خاندان کی بیگم کی لڑکی ایک سے کوئی کئی تھی۔ ڈرائنگ روم کے اندر بھی اس طرح کی مصوری کے دیوار پر تھیں۔ اسکو ڈرائنگ اور ڈرائنگ سے کھٹے ہوئے۔ میرے پیادے کے اندر کھٹے وہ سے آتا ہے۔ شام میں میں کھوں پر، ہال میں اور کچن کے غریب خانوں پر۔ وہاں یہ شطاف اور بیوریں جم جکتے ہیں۔ لڑکوں کو بیڑے کے اندر نہیں چھاپا جاتی پر یہاں ان میں ان کا کھانے کے پیکر میں ڈھکا ہوا ہے۔ وہ برقی رفتار جہاں جیسا ڈرائنگ پر جو ہر قسم کے ڈرائنگ کے کھانے کے لئے ہیں بکھیر دیتے ہیں۔ میرے پیادے کے اندر کچن۔ گندم کی خیریں باجوں والے، ابراہام نگہ کے آئینہ شس والے، دانت و زبانی کی

سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جمیل ناچتے ناچتے برآمدے میں گئی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو گیا، وہ اس سے بدلتے چکر گزرا رنگ روم میں تکیہ وہ اس کے پیچھے پیچھے ایک نارودہ زخمی سے بندھا ہوا پھٹا ہوا ناچتے ناچتے پندرہ روم میں پہلی گئی۔ جھل جھل روشنیوں میں دو بیٹے چمک رہے تھے جمیل کے ہونٹ کھلے تھے۔ اندامی کا پتہ نکلا تھا۔ اس میں سے مائیں بچی کوٹ بڑھ رہی تھیں۔ جمیل ناچتے ناچتے ایک چمکانگ لڑکے کے چہرہ میں ڈرائنگ روم میں انگلی، اسحاق گسنت گسنتا پھر واپس موملے پر پہنچی گیلہ ریچوک۔ پھر زخمی ہو گیا اور جمیل ایک مچی مار کر باڑی چیل گیا اس سے پست گئی اور اس نے اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں میں دبھرت کر دیئے۔

وہ خوب گیا، وہ گم گیا، وہ گم ہو گیا، وہ تو وہاں نہ تھا، وہاں تو جمیل میں نہ تھی، وہاں تو کوئی نہ تھا۔ وہاں تو کوئی ہونٹ میں نہ تھی، اور کوئی چہرہ میں نہ تھا۔ وہاں ایک بھڑو تھا، جس میں وہ قویا پھلا ہوا تھا، بچہ ایک اس نے قسموں کا جیسے کوئی اس کے بازو کاٹ کھا رہا ہے، اس درد سے وہ اب ہر کر جب وہ پیچھے سے ابھرتا ابھرتا پھر واپس ملے پھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ میٹوں لڑکیوں کے کمرے میں ہے۔ چلتا سانس اپنے ناموں اس کے بازو میں گزرو دیتے ہیں اور دوسرے دوسرے سے دانت پیستے ہوئے کہ رہی ہے۔۔۔ ان۔۔۔ ان بازوؤں کی پھلیاں کھلی گئی ہیں۔ چلتا کئی آنکھیں بالکل ذرا دھڑکی گئیں، اس کا سانس تیزی سے چل رہا تھا اس کا پھیلا ہونٹ بیت پیچھے تلک گیا تھا۔ اور تھوڑی سی گروں کئی مضبوط ہے۔ ایک تیل کی طرح، جمیل اس کی گردن پر ہاتھ پیرنے لگی۔ "ہائے۔۔۔ میرے تیل!"

سنبھلے اور زخمیں ٹھنڈی ایک ذہنی درد سے کہیں اس پر جھپٹ پڑی۔ اس نے اسحاق کا گر جھانک کر دیکھا اور اس کے کمرہ سے باہر سے اپنے دروازہ پر گزرتے ہوئے کھنکھار کر کہا: "ہائے! ہائے! ہائے!"

ریچوک وہ مچی مار کر اٹھا، اس نے پوری قوت سے اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو پھلتے ہوئے اپنے آپ کو ان تینوں کی گرفت سے آزاد کر لیا اور تمام اس کے خلاف ہوا۔ ٹھیکوں، آٹھ میٹروں کی بلت چھینے لگیں مگر اسحاق نے کوئی تھوڑی سی۔ اس نے بلدی سے برآمدے کا دروازہ کھولا اور کھڑکواتے ہوئے قدموں سے بیڑ میوں سے پھٹے انگریز باہر نکلتے ہیں وہ دوڑتا چلا گیا۔ پیچھے بیڑ میوں اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ دوڑتا ہی چلا گیا، بلکھوں کو دت سے باہر کی طرف پھر پھرت بھاگ گیا مچی کراتے، اپنے سامنے ٹو پٹنی کا ایک تل دکھائی دیا۔ اس نے ٹو پٹنی گھم کے تل کھولا اور اپنا سراخی کے خنجر سے تازے پانی کی دھار کے پیچھے رکھ دیا۔ پانی اس کے سر کو چھو گیا اور اس کے چہرے پر چپا ہوا، اس کی تار تار قہقہوں کے اندر دھنکے ہوئے سینے پر جب پہنچا تو اس سے کچھ اٹھنا ہی نصیب ہوا ہائے میرے تازے خنجر سے زیادہ سے پانی، تو تو خراب نہیں ہے کو پانی پینے تو کھولتے ہوئے ناوے کو خنجر کرتا ہے اور خوشیلا بار بدلتے سے مجلس ہوئی تنگی میں۔ ریچوک پرید کرتا ہے، تو پانی ہے، جو تہذیب اور تمدن، ضبط اور احتیاط کا گواہی ہے؟

اپنے کمرے میں پہنچی کراہتے بہتر پر ڈھکرا چلا کر کچلے وہ بیت درنگ سوچتا رہا۔ اسحاق کو زمین کا فیصل آیا، جس کے اوپر پٹنی کا ایک بیت جمی ہوئی تھ۔ پٹنی اس سے کہ اندر دروازوں میں تلک کھنکھاتا ہوا ادا چلا گیا ہے۔ یہ لاوا جو ہر طرف کی زندگی کا دشمن ہے۔ لیکن اس دوسرے کے اوپر پٹنی کی تلک چلی سی تھ۔ ہے جس کی سب پر انسان نے ہزاروں سال کی محنت سے اپنی زندگی بھائی ہے۔ اپنی تہذیب، استوارک ہے۔ جہاں چاس نے کھینچاں آباد کر دی، کھیتوں میں پھر ہی چلائی ہیں۔ نہروں سے سرسبز چلا ہوا ہے۔ سرسبز ہی سے شہر اٹھتے ہیں، شہروں میں جھلکاتی ہے۔ بلکے

عظیم فلسفے، درمجموعہ غور و فکر کی تھی ہے۔ لیکن اس غور و فکر کی ایک نئی تہ کے نیچے کسی خوشامیاد
ہیسا رنگ پیناں خدمت ہے۔ لیکن یہی جب بندھ ٹوٹ جاتے ہیں، جب کوئی ہوا لادو کروٹ
لیتا ہے اور اس دور کی سطح کے کسی سوراخ سے گر جاتا تو نجات ہوا پہنچ سکتا ہے تو کیسے پہنچا
آجاتے ہیں، بہتیاں بڑھ جاتی ہیں، کھیت جھلس جاتے ہیں، شہر رکشہ، ہو جاتے ہیں اور
زندگانی پتی بندھ رہی ہو گویا اٹھائے فنا ہو جاتی ہے۔

اور جب سماجی کوڑیہ کا نیاں آیا تو اسے انسان کا نیاں آیا، کیونکہ انسان کی
دھڑکی کی طرح ہے، وہ ایک اند سے کھڑے ہوئے ٹوٹنے کی طرح ہے، کروڑوں برسوں
سے ترقی کرتے کرتے وہ اس منزل پہنچا اور آج اس کے فوڈ فلم احساسات و جذبات اور
اہلیات پر ہر تہذیب و تمدن کی ایک تہذیب ہے، بہت پتل کی تہ ہے، بہت مضبوط
بھی نہیں ہے۔ اس میں ہمارے لئے ہیں اور صورت میں جہاں سے لادو لیں، اُن کی راہ
آجاسا ہے۔ تو کبھی کسی ایک تہ کو انسان کے پاس ہے، اسی پر اس نے اپنی زندگی بنائی
ہے۔ خبروں سال کی خدمت سے، تہذیب کی غور و فکر، تمدن کا حصہ، سماج کا حصہ،
تاریکی کا طہرہ، در تہذیب پانچوں پسند ایک کے نمایا ہے۔ یہ چلی ہی تہ انسان کی زندگی کے
لئے، اس کے ارتقاء کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس کا سب سے آواز ہو جا۔

اس نے گھبرا کے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا لیا، خود ہی ہل چلا، نہیں، نہیں۔

یہ آج سے وہاں کی نہیں جانوں گا؟

لیکن دو سوے دن دور ہو رہی گیا !

اپنے ذہن کو کریدتے کریدتے اسحاق نے ہاربا کو شش کی کرید کی طرح سے
مسلح کر کے کرید و جیل کے باں دو ہاتھ کیوں کیا، کیا چیز تھی جیل میں جو اسے ٹھان کھانا
پھر وہ کھینچنے لگی، لیکن اس دن سے وہ اس کا غور کر کے، لیکن اسے کھانا کھانے کا بہت
کیوں انسان کو ایک فرشتے یا دیوی سے محبت نہیں ہوتی اور ایک گنہگار سے جو جاتی ہے
محبت اور صاف عیند کے پلندے کا نام نہیں ہے۔ شامی سے قطع نظر آج کوئی شخص
وٹوق سے کہہ سکتا ہے کہ اچھا گنا نہیں تھا، اور جیوت کی ایک تلخ دوسری تلخ سے ذرا
پھینک نہیں تھی، کہاں سے سونے کے ہاتھ کوڑے دے دے اور انہوں کو پٹکے ہوئے گاؤں والا اور
پڑھی لکھا والا تھا، اور روپ سنی ملک میں گنگا کے بات بکرتی تھی، محبت میں ہائی تھا
کی ارفع ترین صورت کا نام بھی نہیں ہے، تو یہ کیا عقل، کیا انسان کو اپنے مذہب کی عقل
سے محبت ہوتی ہے، اگر ایسا ہوتا تو انسان کی وہ سحر انسان سے محبت کرنے کے ہاتھ
نکلنے کی کسی بڑی کتاب سے عشق کر لیتا، لیکن ایسا بھی کوڑ تھا، اسحاق کی زندگی میں ایسی
ذرا کیوں بھائی نہیں جی کی عقل کو بچھ کے اس سے شادی کر لینے کو اور ان کی صورت دیکھ کر
تو کتنی کر لینے کو ہی چاہتا تھا۔ اب بات ہے کہ جب تو تین اٹھل مند ہیں تو تو صورت
نہیں، پتھر کی اور تو صورت ہوتی ہیں تو اٹھل مند نہیں پتھر کی۔ اور جب کسی تو صورت اور چھل مند
بھی ہوتی ہیں تو انہیں آئی سی ایس کے جیٹے اٹھا کے لے جاتے ہیں، لیکن یہ بھی اس
کی زندگی میں سب سے عقل اور سب سے غور و فکر والی چیزیں تھیں جو انہیں اسے ان
سے محبت کیوں نہ ہوتی؟

تو محبت میں انسان کی اپنی شخصیت کا مکس دیکھتا ہے؟ اپنی طبیعت، اپنے طرز
اپنے ذوق کی صلاحیت؟ ایسا اس نے بڑے بڑے دانشوروں سے سنا تھا، جنہوں نے
فعلی محبت کو شایہ ایک آدھ ہار کی ہوگی لیکن کتنی ہی عقل و دماغ ہار کر لیا تھا اور محبت اور

جنس کے موضوعات پر بھی اسی گنت کتاب میں چارہ ڈالیں تھیں۔ لیکن یہ بھی کیا ضروری ہے کہ اسی کو
کوہیت کو اور ایک اپنے ذہن میں ایک پر ہی لا کر بروی ٹھنڈا کر لینے کے بعد ہو۔

اور چہ اس کی اور جیل کی طبیعت اور راج میں ذوق و فہم کی کوئی ہی ملاقات تھی۔
جیل سے رومان اور عامی ناولیں پسند کرتی تھی اور اساق کو مانگتا ہے کہ وہ ادا پندہ میں
پسند تھا۔ جیل کو بالی و ڈوکی بھائی تھیں پسند تھیں اور وہ اداویسی تھی کہ نئی نئی
پسند کرتا تھا۔ جیل کو فوجی اور ایک کپڑے پسند تھے اور وہ اسے سفید ساڑھی میں ملبوس و کھینٹ
پا بٹاشا تھا۔ اساق کو سٹسٹہ سڑان پسند تھا اور اسے غلیظ غلیظ سناتی تھی اساق کو بھت ہو۔
مرو کے تعلقات کو شرم و میا کے پردے میں غلط دیکھنے کا قائل تھا۔ اور جیل کی خواب گاہیں
نیاں طرح کے غلطے کو کھانا ستر لکھے ہوئے تھے۔

پھر کیا انسان جنت میں اپنی ضد تلاش کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ ضعیف ہی ہے تو ایک
فرشتے کو پا جاتا ہے اور خود ایک سیست ہے تو ایک واپس کو پسند کرتا ہے؟ یہ بھی عجیب
جنس ہے کہ اگر وہ اور طریقت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ وہ تو ایک دوسرے کی
تحلیل کرتے ہیں۔ غلطی نے انھیں بتایا ہی سہی کہ ایک کے بدلے دوسرا اکل جاتا ہے۔
پھر اس نے ایسے چرچا ہے جی تو دیکھتے تھے جو تو ایک ہی سا چنے میں ڈھلے تھے ایک ہی
مراقب ایک ہی طبیعت ایک ہی ذوق۔ کتنے ہوئے جملہ ایک دوسرے ضد و جدت کرتے تھے
پھر؟ آخر جنت ہے کیا؟

اب تک اس نے اس جنت کی مابینت کو جاننے کی س نے اتنی کوشش کی
تھی کہ اگر کسی طرح سے وہ اس جنت کو چا کر نکلتے۔ اس کے ایوان کو ٹٹک کر کے نمونہ
اور ایک کہ کھالی ہیں پر کو کھتے تو شاید وہ اس جنت پر قیام پالے میں کہ سیلاب ہو جائے گا
کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی مابینت کا علم ہو جاتا ہے تو اگر وہ اس وقت اس پر ایک بات
سے قیام پالیتا ہے۔

یہی کہ اشتہار سوچی چار کے بعد بھی اس کی قیادت سے کھلت اس کی کو میں ڈانگی اور
صرف یہ ہی کارائی کی جو جیل کو پاتا ہے اور اس قدر پاتا ہے کہ اس کے لیے خود کوئی پر
آباد ہو گیا ہے۔ وہ ہر جیل میں پاتا ہے اور کوئی اس میں جی ہانگی کو دنیا میں خود سے مرنا پاتا ہے
لیکن اب وہ جیل کی باتیں جیل کی کھلت میں اس جیل ہانگی کو دنیا میں جی ہانگی کے سامنے
کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ وہ کہہ کر کو رام کرے سے اٹھ کھڑا ہو اور برآمدے میں بیٹھ لگا۔
یوں کہیں؟ آخر کیا کیوں ہے؟ جیل کو جیل سے ہے لیکن اس سے کھلی جنت کو کیا کیوں
تو اس کو دنیا میں ہو جی۔ وہ ایک اچھی شخص ہے۔ لیکن اس سے بہتر بقا میں اس کو دنیا
میں ہو جی۔ لیکن وہ اپنے ذہن کو میں ڈانگی پر نہ پاتا اور وہ رنگ نہ پلا سکا۔ جیسے اس کو
ذہن آپ ہی آپ اس سے ہذا نہ کرتا گیا۔ اور اس سے کہتا گیا کہ تم جنت کہتے ہو۔ جیل
میں کو جنت ہے کہ اس کو دنیا میں نہیں ہے۔ اس سے بہتر نہ پاتے والی انسانیت جنت یہ
خدا ج تک پیدا نہیں کی۔ جیل میں ہی زندگی کے پہلے بھی اس کو دنیا میں پیدا نہ ہونی ڈانگی
پیدا ہوگی۔ اور یہ ڈانگی سچ ہے۔ اس کو دنیا میں جنت انسان میں اتنی ہی جنتیں ہیں اور ہر
جنت دوسروں سے انوکھی نزل اور ملک ہے اور پھر بھی پیدا نہ ہوگی۔ جب سنے
انسان پیدا ہوں گے تو نئی جنتیں بھی ڈانگی۔ لیکن یہی جنت پھر بھی ڈانگی۔

اس نے جیل سے۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ صرف جیل!

وہ برآمدے میں بیٹھا تھا کہ ایک اور کسی کے قدموں کی چاپ لٹنے لگا۔ ایک
لٹے کے لے اسے گمان ہو گیا کہ جیل سے اس کے جی میں گرے تو چو کہ۔۔۔ خدا ہو ہو نہ
اور اگر وہ طواف کر رہا تھا۔ اساق کو اس وقت بے صدا پڑی ہوئی۔ کیونکہ جب وہ جیل
سے جھٹکے چلا تھا۔ تو اس نے جیل کو اتنی میٹھوید یا خدا کر دیا کہ وہ اس کے اندر اس کے
پاس روز جوں میں نہ پڑتی تو وہ نہ پڑتی کرتے گے۔ وہ جیل کے گمراہ اس کو ہاتھ پاز کے اسے
اس کو دھانپے سے ہزار کھٹے کی کوشش کی تھی اور اس سے کہا تھا کہ اگر وہ اپنی منہ پر ڈانگی

مگر جمیل کو یہ خبر پڑی پسند نہ تھی۔ وہ مکمل جسم خفی اور ایسا چمکا ہوا، اکھنڈ ہوا، ایک ہوائی جہاز جی خفی کی ایک دفعہ تو اسحاق نے یہاں بیٹا کے اسے ہاں سے کڑکے گھینٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور جمیل روٹی جاتی تھی اور گنتی جاتی تھی لمبے لمبے مارو، لمبے اور مارو، لمبے چوسی سے مارو کے میرا بدن لال کر دو۔ حکمتی جاتی تھی اور روٹی جاتی تھی اور اس کے ہونٹوں سے کف جاری تھا اور اسحاق نے بچا ایک گلاب اس کی کھات سن کے اسے ہاں سے گھینٹنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے اس دشمنی پر حیران ہو کر وہ صوفے میں جھنس گیا تھا۔ یہ عورت اسے کتنے لاکھوں سال پیچھے لے گئی تھی۔ مگر اب یہی عورت اسے اس قدر پیٹنے لگی کہ وہ اس کے لئے سرسکتا تھا۔ اس عورت کی ہر بات پر جان دے سکتا تھا۔ اب اس کی ہر چیز اسے اچھی لگتی تھی اس کا خلیقا نا ہی اس کے خلیقا لطیفے، اس کا خلیقا جنس، جمیل نے اسے جہنم کا دروازہ دکھا دیا تھا اور اب وہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے ساپوں کی باجی شروع ہوئی ہے اور جمیل پیچھے کے بعد کوئی ٹکڑی ہی سے واپس آتا ہے۔

پھر اس کے ذہن میں وہ ادا کرتی ہے وہ ایک عرصے سے آتے ہوئے دکھ رہا تھا کہ اگر جمیل جتنی جسم خفی، تو اسحاق تو جتنی جسم نہ تھا، وہ کچھ اور ہی تھا، وہ کچھ سوچتا تھا، کچھ جھنٹا تھا، کچھ گھنٹا تھا، کچھ دوسرے سماجی کام بھی کرتا تھا، گو جمیل کی جستجوئی کے وہ سب کچھ غلط تھا۔ اس نے جو کچھ کوٹھ کسے کے لئے باسوی لاول گھینٹنے شروع کر لی تھی اور ہاں جمیل کو قطعاً اپنے کچھ ضرورت، تھی پھر بھی اس نے جمیل پر بے تحاشہ دیر بھی فرج کرنا شروع کر دیا تھا، اگر ہاراک ایسا بڑا اور بے ایسی باتیں کر سکتا ہے تو میں کیوں نہیں کر سکتا؟ اسحاق نے سوچا اور اپنے دل کو تسلی دے لی، اب وہ دھوڑا دھوڑا کے خلیقا لطیفے لگا اور جمیل کو کھانا لگا، پس پوست کا ڈھورے، خلیقا خفی کی کڑی س نے ٹوپیوں پر نہ ڈالیں گے اپنی دانت میں وہ جمیل کا سب سے پیارا عاشق بن گیا۔

لیکن ڈار گز نے پھر بھی وہ اس سطح پر نہ پہنچ سکا جہاں جمیل تھی کبھی کسی کوئی لک

اس کے اندر پہنچ گئے تھے اور وہ کچھ جہاں جمیل کی اس کو رہی اور بدلتی کو نور محسوس کی تھی۔ اور جمیل کا اس دوسری عورتوں سے مختلف تھا۔ دوسری عورتیں جب محبت کرتی ہیں تو اسے ایک پھول کی خوشبو جھوکرا پنے پیٹنے سے لگاتی ہیں۔ جمیل اس طرح محبت کرتی تھی جیسے انسان روٹی کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے۔ روٹی کھاتی اور پیٹھم پاتی پیتا اور پیٹھم اس لئے جب کسی ایسی عورت کی غذا میں کھاتا ہے تو وہ کیا کرے گی؟ جمیل نے پہلی بار کیا سانسو ہٹایا دوسری بار یہی ہوئی۔ تیسری بار اس نے نور خط سے لگ کر بارہویک دیا۔

گفت گوشت!

مگر یہ تو ہوئی قصہ دہری، ملل میں ذرا اس سے مختلف طریقے سے ہوا یہ معاملہ کئی دنوں سے جمیل آتی آتی کئی ہی غذا آتی تھی کبھی تو وہ ناچنے سے ہی اٹھ کر روٹی کبھی اس کے ساتھ کھانا نہ کھاتی کبھی سینا نہ جاتی کبھی اچھے کپڑے نہ پہنتی کبھی روٹے لگتی کبھی آپ ہی آپ بیٹھنے لگتی کبھی سیدو کا بھانا بنا کے اس سے ٹک کرے میں سو جاتی ایک روز جب وہ اس طرح ٹک سو رہی تھی وہ اس کے کمرے میں گستاخوں نے جلدی کی کسی سامنے کو جمیل کے کمرے سے باہر چلے گئے محسوس کیا کرے میں اندھیرا تھا اس لئے اسحاق نور سے ڈر کر کچھ سکا۔

اسحاق نے پوچھا: یہ کون تھا؟

سو ہی تھیں: آنا کچھ جمیل نے نہ پیر لیا۔

مگر اسحاق کا طبع دور نہ ہوا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا، اس کو میں دانتے دوانے میں کر کسی شریف گھر میں نہ ہوئے چاہیں، اور جمیل تو ایسی پیاری لڑکی ہے کہ اسے صرف ایسے گھر میں رکھنا چاہئے جس کا صرف ایک دروازہ ہو اور اس پر کبھی نہ لگاؤ ہو۔

اس واقعے کے تین چار روز بعد ایک شام کو جب اسحاق جمیل کے گھر پہنچا تو قزاق لنگ دوم میں ایک آتہالی خوش پوش لڑکیاں اور نکلے ہوئے آدمی جنس جنس کر جمیل سے

بات کر کے میں مصروف تھا۔ جمیل نے تعارف کرا لیا۔ یہی منظر شریف، امر کی باری کے
ایسٹ وچسٹ۔ آپ سید اسحاق؟

تھوڑی دیر تک نہیں بیٹ۔ ورنہ غاموٹی رہی۔ دونوں مردوں نے ایک
دوسرے کو دیکھا ہلکا ہوا اور گول، چانچا پرکھا اور وزن کا اندازہ کیا۔ اسحاق کو اندازہ ہوا کہ
صرف شریف کی عیب لہ سے ہمارے ہی بلکہ اس کے بازوؤں کی پھلیاں بھی لہ سے
ٹھکڑی ہیں اور اس کی گردن بھی نر یا وہ موٹی ہے۔ اس کا دل اندر ہی اندر ریتھنے لگا مگر اس
نے اپنے آپ کو ڈھارس دی اور بے سے دبے سے صوفے پر بیٹھا ہوا سگریٹ چوستا
رہا۔ اور اوروں کو کہ باتیں کر رہا۔

اس وقت جمیل ان دونوں کے لئے ناہی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ شریف
چمک رہا تھا۔ کتنے ہی دوست اس کے لئے ناگوار تھے۔ وہ بھی ہمیشہ اس کی باتوں کو کرکڑی کرتا تھا۔ آج
وہ ان دونوں کے لئے ناہی رہی تھی بلکہ اسحاق کو یہ احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے
لئے کم اور شریف کے لئے زیادہ ناہی رہی ہے مگر ممکن ہے یہ میرا وہ ہو۔ اسحاق نے بولا
آج جمیل کے کیا ناہی؟ اپنے ہاتھ سے پکڑا تھا۔ اے وہ جیلت کی محبت کی یاد
آئی۔ جب بھی جمیل نے گھبراہٹ اپنے ہاتھ سے اس کے لئے کہا تھا کیا تھا۔ کیا بچانے کی
اسے طاقت تھی۔ اس نے نرمی کو کوشش صاف کہتے ہوئے اس کا ہاتھ ٹپک کر دیا تھا۔
آئی بھی جمیل نے اپنے ہاتھ سے نرمی پکڑ لی تھی مگر گویا یہ پکڑتی تھی۔ اسحاق کی
نہان پر اس طرح کا ڈانٹ تھا۔ جب وہ لوگ کھانا کھا چکے، پان کھا چکے، سگریٹ کے دوڑک
کل لے گئے۔ تو جمیل نے شریف سے کہا۔ آپ اور جمیل ہم میں شریف لے جائیں گے۔
اسحاق سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔

شریف ایک لمبے اور اونٹنی جیسا انسان اور بلی بلی کے بیچ وہم میں

گھس گیا۔

اس کے بعد جمیل نے کہا۔

بگٹ آؤٹ۔

اس کے بعد جتنا جھگڑا ہوا، مار پیٹ ہوئی اس کی اور شریف کی توڑواٹی ہوئی۔
بوجھ یہ تو نہیں یا توڑ دی گئیں یا کھینچیں سے باہر پھینکی گئیں۔ وہ سب باتیں اسحاق اس
وقت بھول جانا چاہتا تھا۔ وہ انکس کا پس پین تو جمیل کو بھی بھول جاتا۔ مگر جمیل کو وہ اس
بے وفائی کے بعد بھی بھول نہ سکتا تھا۔ اس کی ہر بات اسے حیران رہی تھی۔ جس وقت سے
جمیل نے چمکنا شروع کیا اس سے پہلے کہ اس نے اس ساری گفتگو کو حیران ہوا تھا۔
اور آخری روز کی گفتگو کو اپنے دل سے جھٹکا رہا تھا۔ انسان اپنی خود فریبی میں کیا کیا یاد
کر لیتا ہے۔ اور کیا کیا جھٹکا رہتا ہے۔ اسحاق کا بھی یہی حال تھا۔ اُسے جمیل کی ہر بات
ایسا یاد تھی اور اس کی کوئی برائی یاد نہ رہی تھی۔ یہی چیز تو کمبخت جہنت کی بات ہے۔

رات کے تین بجے اسحاق نے فیصلہ کر لیا کہ اب سب کچھ ختم ہے۔ وہ ناگنی، دکانے
کی، اور شریف کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔ اور میں یہاں اس کے انتظار میں کھڑا رہا ہوں۔
اب سب ختم ہے۔ نہیں اب کون سی چیز میں سب کچھ ہاؤں گا جیسے پرہیز کا آبشار کھینچ
اور وہاں سے کوئی پانی ہاں دے دوں گا۔

اس نے نئے غنڈے دل سے پھینک دیا۔ اور پھر چار تان کے خوب گہری
خیمہ سو گیا۔

اکٹھا تھا اور ہلک کر اپنے قریب سوتی ہوئی جیرو کا پیرہ دیکھنے لگا گیا تھا۔ ٹھٹھکی کو کہیں ہی
اچھا دم، بے شیب، بے دارا سپید نور نے آئی تھی۔ اور اس دھنی میں اسحاق کو کوئی ہوئی
جیل کا پیرہ ایک مسموم کنور ہے کہ روٹھنی سے منور نظر آیا گیا۔ صولابن تھا اس پیرے کے
بالے تان، جیسے وہ ایک ایسی لڑکی کا پیرہ جو اس نے آج تک کوئی مرد دیکھا ہو، یا وہ لڑکی
جسے جو اس نے آج تک کوئی صوفی نہ دیکھا ہو۔

اس طرح وہ سوچتا سوچتا آگے بڑھ گیا۔ راستہ تنگ ہوتا ہوا رہا تھا۔ دور دورے پھاڑاں
آہیں میں ملنے کی کوشش کر رہی تھیں ایک جگہ پر راستہ ختم ہو گیا۔ جھاڑیاں ایک دوسرے میں
فل کھیں، ان جھاڑیوں کے نیچے سے اسے ایک کڑی عراب نظر آئی۔ یہاں کوئی دیوار نہ تھی، کوئی تان
نہ تھا۔ بس ایک ٹراب کڑی تھی۔ وہ جھاڑیوں کو پیچ کر اس عراب تک پہنچا۔ عراب تک پہنچا تو
واقعہ تھی۔ جہاں سے سامنے کو منظر غائب ہو جاتا تھا۔ جب وہ اس عراب کے پیچھے آیا تو
اس نے دیکھا کہ پانی بیسائی وضع لگا کر بے کھڑے کھڑے اس عراب سے معاملت کرتی ہوئی عراب تھی۔ وہ
ایک تنگ راستہ کو باقی تھی۔ یہ راستہ کبھی اتراشید و تھروں کو بنا ہوا ہوگا۔ اس وقت پتھر کی
جڑ سے ڈھلک گئے تھے۔ راستے کے ساتھ پر ایک اور چھٹی سی عراب تھی۔ جس کے آگے
ایک گھڑا قبستانی تھا۔ وہ چھٹیوں کو دیکھ کر چمک گیا، چلیں، جیسے عورتیں گھر نکلتی گزرتی
ہوئی تھیں۔ تو قر پر ٹوڑا ہوا۔ وہی قوم نے والا تھا۔ تھوڑے دنوں میں اس کی
بھی تو قر بنے گی۔ اس نے اسے ان تھوڑی میں بڑی ڈالپی پیدل ہو گئی۔ وہ دھڑ سے ان
قرہاں پر گھڑے ہوئے نام پر تھنے لگا۔ اولیٰ گار، لیل، طرکس سال، سو پونہ کی ایک جنگ
میں لڑی ہوا۔ کھٹا ہے میں آکے مراد۔ ہاتھ دھوا، غریب سال، اچھا ہے میں کی دوری
جنگ میں لڑی ہوا۔ کھٹا ہے میرا کھڑا۔ فریڈ سولن ٹرکس سال، بیس میں مرچوں کے
خلاف لڑتے لڑتے لڑی ہوا۔ کھٹا ہے میرا کھڑا۔ اس کی بڑی روز سولن اور دو بچے اپنے
بڑا سے باپ کے لئے رحمت کی کوٹھا تھتھے ہیں۔

ہو رہا ہے۔ اب اس کی عزت کے بارے کو دیکھنے کا جس پر ایک سیاق و سباق تھا۔
 "تمہارا ماں بہت اچھی تھی۔" اس کا حق ہے۔ پھر ماں، اہل کیا ہوئی ہے کیا ہو
 "نہ۔" سے کہ زیادہ دیکھ کر ہے کیا ہو گی کہ آؤت نہیں کہتی؟

اس نے دونوں باتوں سے اپنا پیڑہ پھینک دیا۔ تاکہ وہ اپنی عورت اس کے پاس نہ پہنچ سکے۔ اس کا ساترہم تیز ہوا اور وہیں لڑکھانے ہوئے چلنے لگانے کا پ سا بٹھا۔ یہ اس سے باز گیا۔ اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور سب سے بڑھ کر روئے گا۔ اپنی عورت کے لئے اس نے خلق کا خاص بند ڈی۔ وہ اسے غمزدگیا ہوں سے بچتی رہی اور کبھی نہ رہی۔

میرا نام ویسا ہے۔ میں جس میں میرا خاندان ایک بددوستی ہے۔ جنگ سے پہلے ہم لوگ کیسٹن برگ میں رہتے تھے۔ جہاں ایک نئی چھٹی ہے جس کا نام ویسا ہے۔ اسی ندی سے مجھے یہ نام ملا ہے۔ جنگ سے پہلے ہم لوگ بہت خوش تھے۔ میرے خاندان کا ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ جس کا نام جون کے ڈیزائن کے ساتھ دیکھ کر پڑے تیار کرتے تھے۔ ہم لوگ یہ خوش تھے۔ میرا خاندان اور میری بڑی اسی سالہ بہن۔ ہم رنگ شروع ہو گئی اور چونکہ میرا خاندان بددوستی تھا۔ اس لئے ہمیں بڑی سے بھاگنا پڑا۔ مگر میری بہن وہیں رہ گئی۔ پچھتے پھرتے بڑی مشکلوں سے ہم لوگ بچ رہے تھے۔ کیسٹن برگ میں وہاں بھی تھپتھپ اور ہمیں فرانس سے بھاگنا پڑا۔ پھر میرے خاندان نے سوچا کہ وہیں اتنی جیلیں لکھی ہو گئی ہیں اور اگر یہ پالنے والے نہ رہے تو ابھی وہ اتنی جیلیں لکھی ہو جائیں گی کہ کوئی تفریق نہ لگ سکے گی۔ اس لئے ہم لوگ اپنی چلتے آتے کہ کوئی تم پریشانی لوگ اپنی طرف سے اور تلوار سے باوجود وہی

وہ اس کا بازو تھامے کھڑی رہی، تجھ سے کہہ دوں گے کہ تم نے کیا کیا ہے؟

اسحاق بچے نہیں پر پڑھا۔ اس کی انگلیں کانپ رہی تھیں اور بچے گھاس کے جسے خوشے غایب کی طرف دیر تھے۔ اس نے سکوٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

اب میں ابھی شک ہوں!

اپنی حکومت نے اپنی مضبوط چمڑی کا اوپر کا جبکہ گھوڑا۔ اب چمڑی کے اوپر ایک آرام دہ سیٹ بٹھائی۔ اس نے چمڑی کو تھپ تھپ سے گھونڈا۔ اور اپنی سیٹ پر چڑھائی۔ اسحاق زمین پر بیٹھا تھا۔ اپنی عمر تھپ تھپ کے ساتھ ۱۰۰ اس نیلے پر چڑھ کر سو گیا۔

ترکوری کے میدان کے وسط میں ایک اونچا ٹیلہ تھا۔ جب ہول بھاک کر آئے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ٹیلہ آسمان کو چھ رہا ہے۔ وہ جہنم کی صورت اس ٹیلے کی خلاف

اسحاق نے کہا: ”ابھی نہیں سمجھ سکتا ہوں۔“

افنی موت نے اس کا کرم بچھا۔ کرم کو اگلی کر لے آئے تھے!

”میں نہیں تو یہ اسحاقی زور سے چلا رہا ہے۔ میں تو۔۔۔ میں تو افسار دیکھنے آتا تھا۔“

وہاں بھی حالتِ غم و دلہے میں تھی۔ یہ سچا ہی بی بی ہاں تھی۔ اگلے صبح موت کا
تار دکھا۔ جو میرے غلام نے مجھے بھیجی سے دیا تھا۔ میں کل دن چھ اور رات بھر پیشانی
پر ہی۔ ڈاکا کھینچ رہا تھا۔ میری ہاں۔ بہت عجیب تھی۔ یہاں بھی جوتے
سے تازہ۔

”مجھے معلوم نہیں: اسحاق نے جواب دیا: ”میرے بہت چھوٹا ساتھی جب میرے ہاں

باپ دونوں مر گئے۔ میں ایک قہم خانے کی کلاں دو ہوں۔ میں خود ہی پکی ہوں۔ خود ہی پانا
اب، انکو ہی اپنا رشتہ دار، خون کا رشتہ کیا جاتا ہے۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ باپ جا کر رشتہ

اسحاق نے سہی بات کاٹ کے کہا: ”دیکھ تم گھٹی ہو کہ میں نہیں گھٹتا ہوں کہ تم مجھے کیا کہنا چاہتی ہو۔ جو کہہ رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے میں ان جگہوں میں سے کہیں بھی نہیں گیا۔ میری بہن کی بارگاہیں دوستوں کے ساتھ آج ہم لوگ بندہ کوں میں بیٹھے شراب پیٹے بیٹھے بیٹھ گئے رہے اور وہ کیٹھتے رہے۔ شام کو بہت ہوا تو ہوں سے بچنے اکثر بازار میں بہن قدم لگاتے تھے اور وہیں مگر شراب پیٹے نگ جاتے تھے۔ کھانا لے کر دھڑ بڑھتا تھا۔ یہاں بھی کرتے تھے۔“

ایسا بولی: ”پہلاڑی مقامات کے لئے تم لوگوں کا نظریہ بہت ہی غریب ہے۔ میں تو سوچتی تھی کہ جب درگاہ آتی غلاموں کی بھڑی پڑی ہوتی ہے پتہ آپ کو ایک کہ سے میں بندہ کے شراب کیجھتی کہتا ہے۔“

اسحاق چپ ہو گیا اور آگے چلنے لگا۔

روز ہوں سے چند سوئیٹ اوپر جا کر انھوں نے وہ چھوٹی سی عین دیوہی کو پانی کو کر بندہ اٹھایا تھا۔ یہی سوچ نکھڑ تھا۔ اس نے عین کو پانی گہرا ستر رکھ کر دیا تھا۔ تین طرف درختوں کا گھیرا سایہ تھا۔ چوتھی طرف بندہ تھا۔

اسحاق نے کہا: ”یہاں پر دیکھنے کو ہے کیا؟“

ایسا نے مان لیا اور چپ چاپ آگے چلنے لگا۔ چند سوئیٹ اوپر جا کے وہ دونوں ایک پہاڑی صحرے کے کنارے پہنچی گئے۔ وہاں کے لہتے میں چڑھتا تھا۔ چھپتے پر جنگلی ٹھوکر کی شاخیں سایہ کے ہونے لگیں۔ چھپنے کے درگاہ دکھائیں پر زور زور اوپر تنگ پہاڑوں کے تختے کھلے ہوئے تھے۔

ایسا کی پہلی آنکھیں سنست سے کھلنے لگیں۔ اس نے اپنے ماتھے اور ڈھاروں سے پسینہ چھایا اور پھر اسحاق کی طرف بڑے فطانتانہ انداز میں دیکھنے لگی گویا کہ یہی ہو۔ دیکھو۔ تم اگر میرے ساتھ رہا تے تو اب میں دیکھ سکتے تھے۔

اسحاق نے جواہر دیکھا کہ اپنے تختے کھلائے اور پانی جو سر پہلی گئی کیا ہے؟ گھائی کی زمین میں چند سواٹوں سے پانی زوردار سطح زمین کے اوپر چھل آیا اور یہ سب سنا ہے اس پاس چند جھاڑیاں اور پھل جیسے پھل اور کیا ہے؟

ایسا کو پھر دیکھنے سے مل گیا۔ اس کو ٹھوکر کھینچنے کے لئے کھلا۔ اس نے ہڈی کے ہڈی کے دھکے کو کھانا سا ہوا اور کسی کے گھاس پر دوڑنے کی آواز آئی۔ اسحاق اور ایسا دونوں چو کھٹے ہو گئے۔ وہ دن واسے تو ان پہاڑیوں پر کوئی جنگلی جانور آنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ کوئی جانور تھا۔ اسحاق اور ایسا نے امتیاد سے گھوم کر چھپنے کے اوپر کی گھائی پر آگے دیکھنا چاہا۔ گھائی پر دوڑتے ہوئے وہ جانور پلے ہا ہے تھے۔ ایک اور ایک حرکت۔ دونوں اچھے تھے۔ اس پہاڑی ڈھلے چھپے اور سیاہ خام رو کو دیکھا عین۔ وہ گھائی کے حق پر دوڑتے دوڑتے کھڑے ہو گئے۔ اسحاق اور ایسا نے اس سے دور۔ اور دیکھ کر دیکھنے لگے۔ بچے اور قد سے جو سنے۔ دیکھیں وہ جنگلی جانوروں کے پیچھے سے سوئیٹ نکل آیا۔

اسحاق نے انھیں گھاس سے اپنے پاس بلایا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ یہاں سے وہ لوگ بھاگے تھے وہاں پہلو ایک گڑھا کھود رہے تھے اور گڑھے میں سے ایک جڑا بہت بڑی۔ بھاری۔ فوٹی اور موٹی تھوڑا بڑا ہو گیا تھی۔ اسحاق نے جھک کر جڑ کو پاؤں سے کھانا اور اسے ایک بڑے سے کھڑکرو لگا یا تو جڑا پر سے ایک چٹا سا ٹولہ ہڈی کے چھلنے کی طرح سے اتر آیا اور اس اندر سے جڑ ہنایت چھوید اور سختی صحت آئی۔ جس میں کہیں کہیں یہ ٹھوکر ہڈی رنگ کی ایک ٹکڑی جھلک تھی۔

تیرہ کیا ہے؟ ایسا نے چونک کر طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مجھے کوئی معلوم نہیں۔“ اسحاق نے جواب دیا اور اس نے پھر وہاں ٹھوکر بٹانگے جانور کا انسانوں کو بلایا۔ جواہر گائی کے کنارے آجوں کے دو سیاہ چوڑی کی طرح کھڑے تھے۔ اور وہ اسے اور بیک بھرتے تھے۔ لیکن وہ قریب دھکے۔ ان میں سے ہر حرکت تھی وہ پھر

بھاگنے کی فکر کرنے سے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

جب اسحاق نے زور سے چلا کر واضحی زبان میں اس سے کہا کہ

تو وہ دونوں دھیرے دھیرے اس کے پاس آگئے۔

اورت بھی اسی قدر ذلیل بنی اور سیاہ قہقہہ بکھار دیا۔ دونوں کے سر پر پہلی فاقی پڑی

اور بھوکے تھے۔ جبر پر گھبراہٹ ہوئی کہ ان کے پیٹوں میں سو گئے سیاہ اور نلکے پھینے

تھے اور وہ صرف اپنی پستانوں کی وجہ سے سرو سے الگ ہو پانی پاشکتی تھی۔ وہ اس کے

مرد کے گلوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مردوں کے گرو، ایک ایک بانہہ رکھا تھا۔ جب ایک

چار گرا کر پڑے گا بانہہ کر۔ اور اسی طرح عورت نے بھی۔ اپنی سہ پہلی کرنے کی کوشش

کی تھی۔

غرضی دینیک اسحاق ہی دونوں سے بات کرتا رہا۔ اس دونوں نے ہمارے

کئی بار سر ہلایا بھی اٹھا نہ۔ وہ ایک بار پھر تھے ہم نے ہلوں میں جواب دیں۔ بس

کے بعد اسحاق نے زمین میں گدی ہوئی ہر دو کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اور میرا اس سے جواب

ہو کے کہنے لگا۔ جواب آگے نہیں دے

تھوڑی دیر گئے جا کے ایلسا نے اس سے پوچھا۔ کون تھے وہ لوگ؟

میرے ہار کے پشتہ دار تھے۔ اسحاق نے جواب دیا۔

ایلسا زور سے پٹائی۔ تمہارے؟

ہاں! اسحاق نے جی دیکھی سے جواب دیا میرا اور اس کا بھائی تو وہ ہیں

اور کا ہے۔

ایلسا لگتی بولی: تب تو میرے بھی پشتہ دار تھے وہ؟

ہاں۔ اسحاق بولا۔ مگر ہم میں سے کسی نے لگیاں سے پشتہ داروں کا سامنا

نہیں کیا۔ تم نے ہم سے نہیں کیا۔ ہم نے اس سے نہیں کیا؟

ایلسا بولی: ہر سے جو کے مسلم ہوتے تھے وہ؟

اسحاق نے کہا: ہاں وہ وہ تو ان کی جڑیں گود کر کا رہے تھے اس پر وہ گودا گند

میں بکھرتے تھے۔

ایلسا نے غوراً غور اس کی طرف دیکھا کیونکہ زمین پر ان دونوں ٹھکانے ہوئے

سایہ بڑا سنگین وہ تھا تو پر پہلے آسمان پر ایک بھائی بھائی اور باخا پانڈے سے بھی کی سمت

جاء تھا۔

آسمان کو دیکھتی ہیں تو میں صدی مسلم ہوتی ہے۔ پچھلے زمین کو دیکھتی ہیں تو

— تو کوئی صدی مسلم ہوتی ہے؟ اسحاق! ایلسا نے تجھ سے ہمیں اس کی طرف

دیکھنے سے روکنا۔

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چلا رہا تھا وہاں ایلسا گائی کے

اوپر پہلی گئے تھے اور یہاں پہلے ایلسا اور اسحاق کھڑے تھے وہاں وہ دونوں وقتی ایلسا

پہلی گئے تھے۔ تھوڑے عرصے میں اس دونوں نے جھک کر ہاتھ کو گود کر باہر نکل دیا۔

اور اپنے ہاتھوں سے اس کے چپکے چپکے ہر پر کر اس کے اندر کا اس طرح بھروسہ بھروسہ

کمانے لگے کہ کبھی گودا اور عورت میں تھوڑی سی جھجک بھی ہو جاتی۔ ایسی شہید و حیوان

دندان کی تھی بھوک کی اس دونوں کی آنکھوں میں۔

”دیکھو دیکھو۔ ایلسا ایک عجیب کامت اور نفرت اور دم کے طے پہلے انداز

میں بولی۔

”میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسحاق وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اور چار ایک بھاری کے قہقہے جھک کر چلے گئے۔

ایلسا نے اسے آ کے سنبھالا۔

حصاری یہ غلامین کی بچوں نہیں چلے گی اس ہاتھ کے لئے کیونکہ اگر بکری کے پانی میں سے پلانا پڑے گا۔ نیکو کہیں کے آنا اور پانی بچے ہونے مشکل میں پہنچی جائے۔

ایسا کہ چلے جانے کے فوراً بعد وہ ناٹنگ ہل میں لپکا ہوا لٹکانے چلا گیا کیونکہ لٹی کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ ہل میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ صرف ایک میز پر ایک چنگی سے منہ والا بلیکے جو ہوں اور ڈھیلے ڈھالے ہاتھوں والا آدمی کھانا کھا رہا تھا اس کے سر پر ایک مارواڑی دھنک کی پرسی تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں ایک پیٹ جڑی گڑھی چبے ہوئے تھا جس کا سچید گینڈا گرجی لٹی میز سے کاٹتا تو ہم اس ہزارے کم نہ ہوا۔

اسحاق نے اپنی میز پر بیٹھ کر لٹی کا آرڈر دے دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ چنگی اور اس کے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ غالباً اس کا پلانا چاہتا تھا۔ مگر جی سوچی کہ اسحاق اس کا پلانا نہ چاہتا تھا کہ اس میں بیک کھانا اس سے کیونکر بات کی جاسکے گی۔

”اے سٹرا“ چنگی نے جڑی خوت سے اسے بلایا۔
 ”کیا ہے؟“ اسحاق نے اس سے کوئی خوت سے اسے جواب دیا۔
 ”یہ پاکستان والا ہے کہ کوڑھ لگا سب سے“ چنگی نے منہ پر سے انہار اٹھا کر ہاتھ میں اٹھلاتے ہوئے کہا۔

”تو میں کیا کروں؟“ اسحاق نے پوچھا۔
 ”ہمارے ملک والا اس کو کیوں دیکھ نہیں سکتا ہے؟“ چنگی اولا۔
 ”تو میں کیا کروں؟“ اسحاق نے پھر پوچھا۔
 ”مگر یہاں دیکھ کر کہتے ہیں کہ چنگی بے بہک ہوا۔ مگر یہ پوچھتا ہے۔ ہمارے ملک کے گورنمنٹ کو کیا ہمارا اس کو دیکھ کیوں نہیں دیکھا ہے۔ سالہ ۱۰“
 ”مختلے اڑی سے لٹائی شروع ہو جائے گی چنگی بے۔“

”ہو جائے۔ اپنے کو بکری منگتا ہے۔ جندوستان پاکستان میں لڑی ہو تو سنا کہ تو دل ٹھنڈا ہو۔ سالہ روٹی انہار چڑھ چڑھ کر ہمارا خون گرم ہوتا ہے۔ ہمارا پلانا نام چھت کیرا میں ہے۔ تم کوئی نے لٹکا بتایا۔ اور وہ ہم پچھڑا لٹکے ہوئے ہے۔“
 ”تم جندوستان اور پاکستان میں جنگ کیوں چاہتے؟ اسحاق نے پوچھا۔ ”کیسے؟“
 ”حصار سے وہاں کوئی نہ دھتے دارا سے گئے تھے۔“

”بھئی۔“

”پاکستان سے قصوں اپنی جانیدار سے ڈکے کھا گیا تھا۔“

”بھئی۔“

”پاکستان میں تم کو کس کو جانتے ہو؟“

”بھئی۔“ ”یہ تو چھپ چھپ کا ہوں۔“ چنگی اولا۔ ”پاکستان میں میری کوئی جاننا تو ہے۔ اندر دھتے دارا۔“ ”میری کوئی ڈھائی ہے۔“

”چو کیوں جنگ چاہتے؟“

”چنگی اولا۔“ ”تم سالہ دیکھ لو کہ جندوستان کھانا کھانے۔ جنگ چلی رہے۔ جڑا سالہ گرم ہو۔ کون کروا ہوتا ہے؟“ ”ہمارا دھتہ کو بچتا ہے۔“
 ”کیا دھتہ کرتے ہو تم؟“

”شاگ کھینچے گا۔“

”بھئی کیا۔“

”بھئی کیا؟“ ”تم کیا کھو گے۔ سالہ دیکھ۔ یہاں جڑا ہوا توئی شاگ کھینچے گا دھتہ نہیں کھو سکتا۔ تم کو جس سالہ دیکھتا ہے دھتہ کرتے ہوئے ہمارے کھو میں نہیں آیا۔“ ”تم کیا کھو گے؟“ ”بھئی تو یہ جانتا ہے۔ ہمارا جنگ چلی رہے ہمارا دھتہ۔“ ”بھئی تو یہاں سالہ شاگ کھینچے گا کھو رہتا ہے۔ سالہ جب سے کھو رہا

میں لڑائی بند ہو جاؤں گا، اپنے دھندلے کان پر ہی نہیں دیتا۔

مگر اس لئے کہ یہ جتنے جو کہ گروہ کہیں نہ ہو تو پاکستان اور ہندوستان میں جنگ ہو جائے۔ جنگ میں شاید ترقی پلے ہو جائے مگر قریبی ہواؤں کے بارے میں

چنگر بننا۔ ہوا۔ تم سارا نکل لوگ ہم سے یہاں کی تاجے دے ہم ساتھ برسکا
پڑھا ہے۔

مکتبہ اہل بیت (ع)

”بہا لائقین دیئے جاتے، مگر تینوں ہمارے ساتھ کھڑے رہتے ہیں۔“

طبیعی ہے، اہم نظریاتی طبیعی ہے۔

”میرے بچے کی بات ہے، ہم اسحاق سے کہنا: بڑا بڑا جنگ کی بات اس قدر شدت سے کہتے ہیں وہ خود کو بھی نہیں سمجھتے۔ وہ تو کہی جاتی نہیں ہوتے۔ کبھی خود قی نہیں سمجھتے۔ کبھی گول نہیں سمجھتے۔ اور جب جنگ ختم ہو جاتی ہے تو انھیں پہلے سے بڑا شہید پہلے سے بڑا عہدہ پہلے سے بڑی وزارت سونپ دی جاتی ہے کیوں کہ ان کو نیا ہی صرف کر دیا کیوں کہ ان کو ہے۔ ان لوگوں کو نہیں کہیں کہ ان کو اچھے اچھے جانا تو نا چھوڑے۔“

بھیسریا نے بات کاٹ پھینے کے لئے کہا: ”سوچ، قنڈا کونسا ہے۔ اور سچ
میں تم کو اپنا نام کمال چکا ہوں۔ میرا نام بھیسریا ہے اور بھیسریا ہے اور چت کبرا نہیں۔“
”چت کبرا نہیں، چت کبرا کو۔“ اسحاق اسے کہانے لے۔

“14/3/1964”

۴۔ ہیئت عمدہ نام ہے سیطرہ خاص کر خمار سے لئے تو بآنگاہ نازوں ہے۔
 ہیئت ہی چایا اور عمدہ نام ہے۔ اپنی عیسیٰ سے کہو وہ قصیدیں اسی نام سے پکا دیگرتے
 میسر کر دہلی نام کی ہے۔ جیسے یہاں ہیئت رطلیدہ جو کہ کیا۔ حتم نے کبھی
 صحت کی ہے؟ - اسحاق نے کہا۔ "سیطرہ"۔

چنگیزؑ پ رہتے رہتے ہنسنا اس کی نو لے کی سی خوشیوں میں نہ لگیں۔ ہنسی کے ساتھ سو پ کا دل اس کے کپڑوں پر چکر لگا۔

چشمہ نے بے باک چٹکی لگائی کہ کیا اسے اس میں محبت کرنے کا رواج نہیں ہے۔ اس کو بہت برا لگا۔ ۲۳ بجے، تو سالانہ ہنگامہ جب ٹیوٹا محبت کی بات کریں گا۔ ام کو بھول کے پروتا خٹرنے بتلایا اور مارے بھول کر ایک انڈین چاروٹ سے اس کے قہرا ہے۔ ام نے کہا ام کو ایک دن تم سے بات کریں گا، تم کہیں سے انکار میں کام کرتا ہے۔

• ایک نہیں، کئی ملکات ہے ایک ایک

— *W. J. G. & W. J. G.*

2014

[illegible]

”م کے لیے کئی کھانوں تھیں، چٹا، بھیجے نہیں کی۔ اور کئی شوق میں لگی۔“
 ”وہ کیا ہوتی ہے؟“

2000

تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ تیسرے کورس پر چلکے نے بے چارہ کو گولی مار دی۔

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

ازم نسلان ہوا چکیرے لے ایک تخلیق و حیرت سے بھر گیا۔

سبکی کیا :- اس وقت تک کہ اسے کھینچے جا سکے۔

— 42 —

”کہ تو جتے کچھ ٹکریو، بتا دو، صاف صاف بتا دیکھا، بات ہے۔“ اسحاق نے کہا۔
 ”صاف صاف کہہ دو، یہ چنگوچ جو یہ تم پر تیرا تو نہ ہو گئے۔“
 ”میں۔“ اسحاق نے جیسی تلبیہ کے ساتھ کہہ کر اس کا خون اندر سے نکال دیا۔
 ”بات یہ ہے کہ تم سب مسلمان غدار ہو گئے۔“
 حقوڑی دیر تک کہتے میں نہ ٹھٹھا رہا، ایسا چھوٹا دوشٹا کہ اسحاق کو اپنی سانس
 تک لگے میں اس کی سانس ہوئی۔

حقوڑی دیر کے بعد اسحاق نے کہا: ”میں دوسرے مسلمانوں کی بات بھی نہ کرنا چاہتا
 صرف اپنی بات کرتا ہوں، نہ کہ ایک کہتے ہو کہ میں۔“ اسحاق، ”خدا۔“ میں ہاں، سو فیصد ہی
 مکمل غدار ہوں۔ قصداً اور غدار سے ایسے ان کام کو کہ جو جہنم وشتان اور پاکستان میں
 جنگ چاہتے ہیں، اور یہی کام کہ میں یہاں صاف تھا، اور قصداً سے ایسے لوگوں
 کا ہی غدار نہیں ہوں، میں تو ہر اس آدمی اور ہر اس خیال اور ہر اس عقیدے کا غدار ہوں
 جو صرف ہندوستان اور پاکستان بلکہ کسی بھی دھوکوں کے دیریاں جنگ چاہتا ہے۔ میں تو
 غدار ہوں غلطی کا، اور جنگ کا اور ہر آدمی کا، اور غدار ہوں لوگوں کے دیریاں جنگ کا
 دغا کا اور پیار کا، میں تو غدار ہوں، جیسوں کی مصمت کا اور جو لوگوں کے پیار کا، جو لوگوں
 ہوں جو لوگوں کی زندگی کا، محبت کے قانون کا اور قصداً سے ایسے غداروں کا جو لوگوں کا
 جو شاک پہنچنے پر غریب لوگوں کی قربانی چاہتے ہیں۔“

دشمن کے اسحاق نے اسے زور سے اپنے تیرے سے کہیں کی بات نہ کہنے سے
 کے خوف پر کھینچ ماری کہ وہ سچے سچے غدار اور وہاں سے ہٹ کر دیریاں جنگ نہ چاہتا
 گری اور اگر کرنا چاہتے تو سچے ہو گئے، میں تو غدار ہوں، لیکن ایک تھا اور لوگوں سب شوبے
 میں غدار سے جو سنے تھے وہ وہاں، وہی کے غداروں کی گڈائی کی خبروں سے باہر سے
 مسکرائے اور انہیں دیریاں جنگ، ہے تھے، ہر ایک کو اس کی کہانی کے بدلے اندر سے مسکرائے۔

اسحاق اس وقت تک ہاں سے باہر نکلا تھا، مدت سے غداروں کے اس کا سا لپٹا ہوا کہ
 تھا اور اس کو بھی چاہتا تھا کہ وہ سچے کے ٹھیکہ خانی سے جو سنے تھے کو گھنٹ گھنٹ کرنا لے
 ایسا اوٹلی سا وہ اندر سے صبر کر رہا تھا، اس وقت:

حقوڑی دیر کے بعد منجھرا اور پروپیٹا پر چکر سے سچا کہہ کر اس کی کانچی میں
 آئے، منجھرا پر پروپیٹا پر منجھرا سے کہہ کر لے چکا ہے۔
 اسحاق اس وقت تک تارنگریٹ پہنے چلا جا رہا تھا، بھلا۔ بات کہنے کی ضرورت
 ہے، میں لوگوں کی شام تک ایک کو کہی، دوسرے ہوں میں انہوں کو کہہ کر یہاں سے
 چلا جاؤں گا۔

”کچھ بھی۔“ منجھرا پر پروپیٹا پر منجھرا سے بات کرنا چاہتا ہے
 دیکھ کر وہ بات ہے بات کہنے کے: ”اسحاق چلاؤ، مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب میں
 غلطی کرتا ہوں، میں نے سچے کے منجھرا پر چکر، دیکھ کر لے گا مجھے کوئی حق دغا، میں
 ہے درخشاں ہوں، اور چیت میں اسباب ہے جیسے دیریاں سے اسحاق بلکہ ہوں۔“
 اسحاق نے سچا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے، سچے بیٹھے تھے، جیسے لوگوں پر پروپیٹا
 اور وہ وہاں اسحاق کے اشارے پر چھوٹے، وہ سنے تھے، دیکھ کر لے گا، دیکھ کر لے گا،
 غداروں نے ایسی بات کہہ دی جو سب مسلمانوں کو کڑی لگتی، کہ کہہ کر اس کا سا لپٹا ہوا
 بلکہ مسلمان ہیں۔“

ہوٹوں کا پروپیٹا ایک ہمارا ہی تھا، نہ تو چلا، برسے برسے ترکوں کے سے کہیں
 بات چار ٹائی میں گنت ہوا اور کہاں میں ضرورت سے نہ یاد دلایا اور کچھ میں پتہ نہ پتہ۔
 انتہائی نیچے سے صرف دانت، ناک میں گنت کرنا تھا، زبان سے صرف کچھ نہ کہہ کر لے گا۔
 اس کی کہیں کہیں کہیں، وقت چکر نظر آتے ہیں، اور کچھ ہوٹ کا دیریاں کھار، ہر وقت ذرا
 ذرا اس دیر کے بعد لوگوں کو ایک طرف کہیں میں کچھ باتا چھپکے لے غدار کے اندر تک

کیا؟ کیا؟۔ کس کام سے تم یہاں آئے تھے؟ پرو پرائیڈ لے لے کر آؤ گے۔
اسحاق نے فیصلوں میں ایک کرکبہ میں یہاں بفرم جانے کے لئے آیا تھا۔
اس سے کہا:۔

ہر روزی نے سوٹ پر سے اٹھتے ہوئے کہا:۔ میں نے پالیس ہسپتال کو بچ کر
دی ہے۔ پالیس بھی اتنی ہوگی۔ دو خدا سے ایسے ہماروں کو قہقہہ بول رہا ہے کہ:

کھڑے کی حالات بازار اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان ایک دو چلنے پر تین
پر واقع تھی۔ سب ہسپتال سمیت اسحاق کو اس وقت ذلیل کر بیٹ خوش ہوا۔ اس سے
نوشی کے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس خوشی میں اس نے اسحاق کو پائے کی پانی۔
ڈول روٹی بھی کھلائی۔ اور، تقریباً اس سے اس میں کو سڑک کی جیسے حالات میں ڈالیا۔
اس کے گھر یہاں آکر ہو۔ بعد میں جب سب کچھ ہو چکا اور بہت شرمندہ بنی ہو چکا۔
روز تا چھتہ، بہت کھو گئی تو سب ہسپتال سمیت لے کر اسے الیون سے اسحاق کے
پاس پہنچ کر اس کی فطرت بھی گئی۔

سامنت ایک دو میٹر کا دھکی تھا۔ میانہ قدر کو ہونا ہے کی وجہ سے۔ جو تھوڑا
دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے پورے پورے کاٹن پہنچ کر کھلیں اس کے پیچ سے کہ
ایک جیسے قسم کی شفقت و عاقرتی تھی اس کے نو بچے تھے۔ اور دو بیویاں ایک رشتہ دار
تھے جو اس کے گھر پر نہ سے بہت تھے۔

دھندلہ رہنا بہت مشکل ہے۔ یہاں اسامیت اسحاق کو کھلانے لگا۔ مگر ہر پالیس
اشیوں پر بڑی سمیت ہے۔ ہر گھر۔ اب دیکھ یہاں کھانا سڑک کے ہوتا ہی نہیں۔ ایک
سویا ہو قصبہ ہے۔ یہاں کی عوامی نہیں۔ کوئی چری نہیں کرنا۔ کھل نہیں کرنا۔ خواہ ایک کا
کیس نہیں کرنا۔ پچھلے ہر کھانے میں شہر گھر کے لئے ہسپتال تھا تو اس میں اس کے
علاقوں سے لوگوں کے بھاگنے کے سوا خواہ کیس بہت آتے تھے۔ اب تو جانے لگا کہ
کیا ہو گیا ہے۔ اساتھ کی کھلی بیچنے میں چار چٹا ہے۔ اب سب ہسپتال کو کڑا رہی کہ
دکھا نے کھینچے؟ اور اس کی ترقی ہو کر کیسے؟ تو تو میرے بچے میں یہاں۔ اور مجھے ذلیل
دیا ہے کھانا ہے۔ میں کیسے کر کرنا ہوں میں ہی جانتا ہوں۔ افسوس کہتے ہیں
کہ پالیس ہسپتال کو ذلیل اور سرگرم ہونا چاہئے۔ اب اس کی اسے سگری دکھائی لوگ اس
قدر خفا ہے کہ چھتہ کی کوئی ہم ہی نہیں کرتے اب میں بڑا ہوا تو نہیں سکتا زمین سے
کیا کروں بڑی سمیت ہے۔ اس لیے یہ حالات بہت عرصہ گزرے واقع ہے۔ اس کو کھانے سے
ریلوے اسٹیشن پر نکال کر رکھتے ہو۔ اور اس دور ہی کو کھانے سے حضاری لگا کر ڈول روٹک
جاسکتی ہے۔ اس علاقے میں یہ بہترین حالات ہے۔ لاکھوں پالیس ہسپتال کے پاس بھی
انہی کے حالات نہیں ہے۔ لاکھوں کے حالات تم نے دیکھا ہے!۔

اسحاق نے سکر کر کہا:۔ تو تم کیسے جی بار حالات دیکھ رہا ہے؟

سامنت نے بڑی شفقت سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر کہا کہ کوئی بات
نہیں۔ بہت آہستہ مشق ہو جائے گی۔ میں اس بار واقعی ایسے لگتا ہے۔ یہاں دھندلہ کھانا
میں حضار کوئی خاص ہو سکتا ہے؟۔

اسحاق نے رک رک کر کہا:۔ یہاں۔ تو۔ میں کی کو نہیں جانتا۔

دھندلہ بہت اچھا۔ سامنت کے پیچ سے پروفیسر کی لڑکی دوڑ گئی۔ چورس نے کہا:

”اسی جی۔“

نے مجھے خلافت میں داخل دیا۔

مقبور پر پڑا تو گزشتہ کیجئے ہوا۔

”اس اور جنگ کے مومنوں پر وہی جوئل میں تھیں ایک اعلیٰ سیٹھ سے سپیری
بھٹن طرز ہوئی اور بھٹن کی لگائی گئی میں نے کالے کی پلیٹ کھینچی کہ اس کے نو پر
دست داری۔“

مردیگر اس کے قریب ہو گیا۔ ہوا کہ تم جنگ کے حق میں رہتے ہو گے۔ مجھ کو اس
قد پیش میں آ گئے۔

”جیہیں، اسحاق نے شکراتے ہوئے ہا۔ میں اس کے حق میں ہوں۔ باخدا
اور دیکھ تو میں نے کیا کیا: واقعی مجھے جدا خواہی ہے۔“

”نہیں تم نے کیا کیا۔“ مردیگر اس کے علاوہ قریب ہو کر بولا اور اس کو کہہ دیا
”تو فیصلہ کرنا چاہتا ہے لہذا۔“ پھر اس نے اپنا اپنی ایک اسحاق کے کندھے پر۔ کھڑک
کہا۔ ”میں ہی وہ آدمی ہوں جس نے اس کے کندھے پر کھڑکے کے تمام ہتھکڑوں کے
کڑھکڑوں سے دھتکا کرانے تھے۔ ہتھکڑوں کے لیے سے تیرہ تھکڑے۔“

”سب کچھ ہیں۔“ سیٹھ جڑی کے لیے سب بتا چکے ہیں۔ ”اسحاق نے
کہا۔“ انھوں نے ہمہ جیسے یہاں حالات میں پہنچایا ہے جیسے یہ سیٹھ کی شکایت ہے۔
اسحاق کچھ دیر پہلے رہا۔ پھر ہوا۔ لیکن ایک بات میری کہ میں نہیں جانتی۔ نہیں
اس اور جنگ اس قسم کے مسائل سے کیا تعلق؟ تم اس قدر تو نے مجھ سے آؤ ہو۔
تو اس مسئلہ کو کالی دیتے ہو۔ افسوس سے لے تو روزمرہ کام کرنا اور اپنی خود اپنی زندگی
چاہنا مشکل ہوتا ہو گا۔“

”جنگ میں جنگ نے یہی کی ہے ستر۔ دوسری جنگ میں یہی جوتی ہوئے
سے پہلے میں ہی تھا یہی طرح پورا انسان تھا۔ یہ جنگ نے ہی سب کچھ کی ہے میرے

ساتھ۔ میرا ہوں کہا، بازو کہا، ٹانگ کہا، دو تو ہمارے قسمت بھی تھی کسی طرح کی گیا۔
”ابھی تھی باڑی تھی؟ اسحاق نے پوچھا۔ اس سے کہیں بہتر تھا کہ تم جانتے۔“
مردیگر نے کہا۔ ”پہلے میں ہی تھا یہی طرح سوچا تھا۔ جیسے آہستہ میری دانتے
میں اپنی زندگی کے حلقہ پھٹی گئی۔ اور اب۔ دیکھو اب تو میں زندہ ہوں اور کوشش ہوں اور
زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“
”تم کیا کام کرتے ہو۔“

”میں بازار میں جوتے جاتا ہوں اور چرانے جوتے بھی درست کرتا ہوں۔ میرا
کام بہت عمدہ ہے۔ اس لئے میرے پاس لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر میں یہاں
ایک۔ حق سے بہت سے لوگوں کو سنا سنا رہا ہوں۔ بازار کے دوکاندار، مجھ سے ملنے
آتے ہیں۔ ملازمین، ملازمین، اپنی گفتگو، مجھے سنانے آتے ہیں۔ مجھ سے غور کرتے ہیں۔
بازار اور۔“ ”مگر ان کے لوگوں کے سب سے جگہ سے کیا گیا ہے پکڑا دیا ہے۔
غیر ملکی۔ یہاں اس میں۔ ہمارے گناہوں میں نہیں پکڑا دیا ہے۔ پکڑا دیا ہے۔
میں یہ کام کر رہا ہوں۔“ ”تو مجھ سے بہتر، تیرا تیرا، جوتے۔“

”خدا اس لئے سب ان کے سامنے تم سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتا،
تم اس کی روزی پر کات مار رہے ہو۔“

مردیگر ہنس کے بولا۔ ”ہمارا کام کچھ پکڑی میں کوئی نہیں جانتا اور یہ کسی سے
کوئی نہیں ہی نہیں جانتا، اپنے جوتے کا اختیار جتا ہوں، اور فیصلے کرتا رہتا ہوں۔“

”تم مجھ سے کچھ ہو۔“

”میں یہی کہتا ہوں۔“

”میں یہی کہتا ہوں کہ تم جوتے جوتے ہو تو میں نہیں جانتی۔“

”مگر انہی دو کچھ نے اس کی بات یہی نہ ہوئے دی۔ ہوا کہ میں یہی کہتا ہوں۔“

کے جوئے پائنے سے کندھے میں طویب آدمیوں کے جوئے بنانا بھڑکام ہے، میں بہت خوش ہوں۔

لیکن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں، تم ہنسنا اور جنگ کی بحث میں کیوں نہیں آتے؟ وہ میرے لفظ سے اپنا ٹپک ہو گیا، اندر کرکدہ میں نہیں چڑھ گا، اور کون نہیں آگے آئے گا، میرا طبع نہیں دیکھتے ہو؟ جنگ نے وہ کچھ تو سے کیا ہے کہ میں نے دوسرے نوجوانوں پر زور کئے کہ اہلیت جیسی خوشی دے دیں گو؟ تم بہت غلط سمجھتے ہو مشرق؟ یہ لوگ میری اہل کو زندہ کر رہے ہیں، ایک نوجوان جنگ میں مر گیا، گے۔

یہ وہ لوگ کون ہیں؟

میرے بھول والے، جو انگریزوں کے نالے کے دل میں آجائے کے خواب دیکھتے ہیں، ان کو کہیں کہیں، کبھی چین اور امریکا میں، کبھی روس اور امریکا، کبھی ہندوستان اور پاکستان، جنگ دیکھنے کے خواب دیکھتے ہیں، میں نہیں سمجھتا، ہوا میں تو بے رنگ، چاہیے اور زمینوں کے پہاڑ چاہیے۔

اس بات نے کہا، یہ دنیاوی سوال جنگ کو نہیں ہے، سلامی لوگوں کی مدد کا ہے، ان لوگوں کے بھولے تم کو بتاتے ہیں، انہی میں آتے ہیں، انگریز چلے گئے، مخالف فوج ہو گیا، اب یہ لوگ انگریزوں کو دایس لے کے خواب نہ دیکھیں، جنگ کرانے کی کوشش نہ کریں تو کہا کرنا۔

بہت کچھ کہہ سکتے ہیں، اور جو مجھ نے زور دے کر کہا، مگر یہ آپ مطلب اور کامل میں، اور آدم سے روچہ کا پتا چاہتے ہیں، میں بھی تو کہنا کے کا بھلا چاہتا ہوں، میں بھی یہاں کے ایک اور جن بڑوں کو پاؤ دیکھنا چاہتا ہوں، میں بھی تم اس کے باز کردہ فوج کو جڑھت دیکھنا چاہتا ہوں، مگر میں دیکھتا ہوں، اب یہ کام پڑا ہے ڈھپ سے ہو گا، انہار روپے روز پر کوہ غریبہ کہنا کے کام میں دیکھنے کی طاقت

کہیں ہے، ان لوگوں کا چنے کرانے اگر کہنے میں گئے، میں نہیں کروں گے، میں نے کی کیا ضرورت ہے، ہر کچھ میں ہارنا، آٹھ ہزار کو ہر ہزار، ایک روپے ہارنا کر، آخر کس کا فخر کون دیتے ہو، آخر تم نے دل، روتی، وہ دیکھا ہوں کیسے میں سے ہر چیز کو جبری ہو کر انہیں کہنا کے میں نہیں آتی، میں کہنا کے میں کوہ لوگوں تک پہنچ جائے، وہ خود کسی مخالفت کریں گے، مگر یہ کمال، یہ جی اور نہ وہ جی کی کیا کے اس کا کرپ گے، شربت اس کی لوگوں میں جاتی ہے، کبھی خود عزت نہیں کی، عام لوگوں سے ڈرتے ہیں اس لئے، ہر انگریزوں کو وہاں انگریزوں سے زیادہ منافع کا لے کے خواب دیکھ کر کھڑے

جب حالات میں شام ہوئی تو میں کی طرف چلے اور مٹا ہوا چروٹے ایک مسین اور ہارک اندر مراٹھی لوگ، چنے ہاتھوں پر ایک تھالی کے اوپر دوسری تھالی رکھے اور ان پر ایک اور تھالی اونگھ کے کھاتے کے دروازے تک آئی، بعد الجیہ نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا وہ مراٹھی لوگ ان میں بھی گئے اندر آئی تھالیاں اس نے اپنے ہاتھوں سے چینی کر کے کھائی کے ایک تھی پر رکھ دیں، میرا نے نے جنگ کر دیکھ کر پاؤں چھو اور کر اسحاق کو پر نہ کیا اور میری طرف دیکھ کر بہت آہستہ سے مراٹھی میں بولے، میں آپ دونوں کے لئے کھا نا لائی ہوں۔

یہ کھجور کھانے کی کیا ضرورت تھی، مرد بڑے بڑے، اور مراٹھی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، میں واسحق ہے، اور روز بھول میں کپڑے دھوئی ہے، اس کو ہر روزی لے کر کسی سے

کاٹوں میں کسی نے دیکھا یا نہیں دوسرے دن چڑھ گیا کرکلا کا بیاد اس کے ہاں پاپ نے پانڈو رنگ پہل ڈالے سکر دیا جہے جہاں میں رہتا ہے اور کام روڈ پر ٹھکر دوار کے ناکے پر چل رہا تھا۔

دو چار دن گزر گئے اور کئی دن گزر گئے۔ میرا جہاں ہے مگر میں ڈکا۔ گاؤں کی ہر چہل پھل جیسے میرے قدم روک کر لے کر کھڑا کر دیتی تھی اور میں ان قدموں کے قاب و پھیلنگ جاسا تھا جو کرکلا کے تھے اور میں کوڑیوں نے پہنچ کر تھی اور جب میں ہسپتال میں پہنچا تو پانڈو رنگ صاحب انھوں نے میرا ہاتھ دکھا اور میری ٹانگ کا تڈائی اس وقت جس موت کے دہانے پر بھی میں نے اپنے سینے سے وہی قہہ پھینکا ہے۔ کچھ سماقی کیا تم کہہ رہے ہو؟ میرا کہو کہ رہا ہوں؟ انسان کیسے کسی کے قدموں کا پتہ سینے سے لگائے رکھتا ہے؟

اسماقی کو جیل کے ناچنے ہوئے قہم یاد آئے اور اس نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں مجھ رہا ہوں، اگرتو" "اے میں جیوں کی بات تھی جب میں اپنی بیوی پر چڑھا۔ شام ہو چکی تھی۔ ٹھکر دوار روڈ کے ناکے پر روشنیوں جگ رہی تھیں۔ پانڈو رنگ پہل ڈالے کی دوکان کے سامنے ایک کھلی کے کچے کھانے میں کھڑا ہو کر کھانا کھینچ رہا تھا۔ گاؤں رنگ کی سڑک میں میں کھڑا کرکلا کو دیکھتا تھا۔ وہ کتنی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ موت کی کھاگوں میں چھپا کر چھپوں کی ایک درختی بانڈو رہی تھی اور اس طرح اس کا ہم پاؤں کے انگوٹھے ہاتھ کی پونڈنگ ایک کھانے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔

"قہم اس کے سامنے گئے جس نے قہم دیکھا۔"

میں نہیں جانتا میں کھڑا سے دیکھتا تھا، اپنی ٹانگوں جیسے انھوں نے ایک پھول ڈالے سے بیاد دیا تھا۔ کتنی خوش اور خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا میں کیسے اس کے سامنے ہاؤں کیا کہوں اس سے کیا خدائی دوسرے اس سے کہہ کہنے کو ایک حکایت کرے کہ۔ جب میں اس کے پاس سے گیا تھا تو پورا انسان تھا۔ جب جنگ

سے واپس آیا تو آدھا انسان تھا۔ میں نے سوچا تو مجھے پہچان نہ سکے گی اور جب وہ میرے ہاتھ پر پہنچاں لے گی تو میں بھاؤں سے دوسرے پاؤں تک لے دیکھے گی، میں بھاؤں کوں کہیں لے جا کر رکوں گا۔ میرے دل میں کرکلا کی ہر بات اور اس کی ہر بات کے لئے جگہ ہے لیکن اس کا ہمارے لئے میں اپنے ہم اور میں میں کوئی جگہ نکالوں گا۔

"خفت ۹۔ اسماقی نے اس کا ہاتھ زور سے دبا دیا۔

"۱۲ تھیں وہ اپنے کام سے غائب ہو کر پانڈو رنگ کی طرف تیزی پانڈو رنگ جو کھڑا ہوتا تھا، میں تھا اور پورا تھا اور ان دونوں کے ہاتھ پانڈو رنگ کے ہاتھ کے ہاتھ ایک دوسرے سے مل گئے گھل گئے اور میں جاب تک دھڑکا تھا۔ کسی موزیک پر ڈکھی ہسپتال میں زندگی کے سامنے، دوست کے سامنے، اس وقت کلا کے ہاتھوں کو پانڈو رنگ کے ہاتھوں میں جاتے دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو اچھلنے لگے۔ اور میں اسی کچے کی موت میں ایک دیوار کے درمیان میں کھڑا کھڑا لے لگا۔ اور میرے آنسو قہم نہ سکے۔ اور ہزاروں کے پرگی کے مسوس جیسا جیسے ہزاروں جھوٹے جھوٹے ہو جانے کا۔

"قہم مجھے پوچھتے ہو، مجھے جنگ سے اس تھک لڑتے کیوں ہے؟ قہم سوچو تو میں جنگ لے میرے پاؤں سے روک پال چھین لی، میں نے میرے ہاتھ سے محبوب کی کو بھین لی، میں سے لگے کہ ایک جھین لیا، میں اس کے خلاف دلوں کو کوئی کلا کے ہاتھ لڑوں گا جس سے مجھے کہنت تھی۔" اسماقی نظرت انسان کا نشان سے ڈھونڈ پاتا ہے۔ اس قہم زندگی سے ہوتی پاتا ہے جو سے مجھو یا بکار، غلط یا نادر بنا رہا ہے۔

یہ ایک سماقی کا بیاد مسوس جیسا ہے اس کے جواب میں لیا وہ جواب یہ کہ وہ مجھ سے غلط تھا، اس کو جواب دیا کہ میں زندگی میں اپنا پاتا تھا ایک ایسے تجربے سے حاصل بنا پاتا تھا، جس کی طرح مجھ پر اور پورا تھا۔ وہ جواب خفت نے دیا

وہاں سے ہمیں اپنی زندگی سے دیا تھا۔ وہ ایک ایک گہری سسٹ اور طبعی ایک بہرہ کے
رنگ و بچے میں وہ لڑکی جو وہ ان کا بے اختیار ہونا سنت سے پتہ گیا۔

گیا ہوا! انتہائی بڑی سسٹ سے اسحاق کی طرف دیکھنے لگا۔

گرا اسحاق نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے انتہائی کھڑکی کے کٹے اور درج پہنچایا اور خود حالات کے ٹھنڈے چھیلے
فرش پر اپنا کھیل بچہ کے کٹے میں سے نکال کر دیا۔

میں دیا۔ کبھی ان لوگوں کے سر پر کھڑا کر دیا تو ٹیلیفون، کچھ دیا ان کی دکان میں ٹیلیفون کچھ شریعت اور
ڈانٹ کبھی پڑھنے والے کو پچھکارا۔ یہ صاحب نے تو جہاننا کر دیا۔

بہرہ سے شکریت آئے تھے بھائیوں سے اسحاق کی طرف دیکھ کر کہہ کر تم تو کہتے تھے
تھا یہ سب کون نہیں ہے؟

اسحاق سکڑا اور اس وقت دیکھ کر کہنے لگا۔

ایسا لے میں کر سکتا ہے کہا۔ "تو مجھ سے جی بھلا رہی ہے ہاتھی =
اور اسو ہوا تھیں ہے، لوگ آئے ہیں ہی کی ناگوار کر رہا ہے ہی۔"

سامنت نے کہا۔ "فوری دیکھی، فوری جگہ اور شریعت ہوئی تھی، چند دن تو ابھی
فرش سے گرنے آئے آپ نے یہ صاحب کے سب سے پتہ کر دیا۔"

اسحاق کھل کر کہنے لگا۔

صاحب یہ سب تم رہتے ہو۔ سامنت نے فورا شریعت سے کہا۔ "مہلک ہو سب
کے گے۔" اب تم دونوں کو تو یہ صاحب کے ساتھ ہاتھی۔

حالات کا آج بھی وہاں لگا، اور جب وہ لوگ باہر نکلے تو زور سے بند ہو گیا۔

اسحاق نے اطمینان کا سانس دیا۔

جب وہ پولیس چاک سے باہر جانے لگا تو سامنت نے بڑی تندہی سے ہاتھی سے ہاتھ
ٹھاکا، سامنت دل کا تھک کر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کے معاملے میں کسی طرح کے بے دلی

اب باقی نہیں رہی تھی، جس ایک ڈرامہ فیس کا شائبہ تھا: "تو تو یہاں کچھ ہوتا ہے، اور
اگر کچھ ہوتا ہے تو لوگ ضمانت دیتے کہا ہے۔"

زور زور سے مصافحہ کرتے ہوئے سامنت نے اسحاق سے کہا۔ "پچھلی آگاہی۔"

پولیس چاک سے اتر کر وہ دونوں چھکے کی طرف پر ہونے، اسحاق کے قدم لگاؤ اور ہاتھی

رات کے تیسرے پہر اسحاق کی آنکھ کھلی کوئی سے زور سے بجا کر لگا، باقی
اسحاق شریعت کا ٹھنڈا تھا۔ زبرد سے ٹوٹا انگوٹھی میں اس نے ایک جیسے ہاتھ پھیلے ہوئے
پہر سے دیکھنے لگا سے گور رہے تھے گویا کہ اسحاق نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر دیکھ کر مہلک ہو گیا
اسے دیکھنے لگا کہ کشش کر رہا تھا اور اس کے سر پر ایسا لگا ہی مسکرا رہی تھی، اور اس کے قریب
سب ان کی سامنت پر دیکھ ہی مال کوہ تھا اس کے ہاتھ پر پتہ ہی اس کی سیوا، فوری دھوکہ لگی
تھی اور ٹیکہ کر دھوکہ کر گشتوں تک پہنچ کر تھی۔

ایسا لے کہا۔ "اور اسو رہتے ساتھ کو بھی دیکھو، میں نے تم دونوں کے لئے ہاتھی
کا بندوبست کر دیا ہے۔"

سامنت نے بولا کہ اسے ہونے پہنچے کہ کہا۔ "رات میں یہ صاحب نے سونے

کی ہاتھ ہو گئے تھوڑے لمبے اس کا بازو تمام کمر کھا رہا تھا اور وہیں اور وہیں
وہ سامنے کے دلچسپہ شیش کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”میں تو ابھی بیوی نہ بناؤں گا، اسحاق کو اسحق سے پوچھ لیا کہ یہ بھی بوشہرہ کا حکم ہے نہ
اٹھائے کہا: نہیں۔ عمر یہاں پہنچنے میں چاروں دن کھتے ہو، مگر مجھے تو بانا ہوا۔
مجھ کی کاڑھی سے۔ اور اب اس نے اپنی کاٹھنی کی گھڑی دیکھ کر سب گھڑی کے آٹے میں
صرف عین گھسنے لگی ہیں۔ میرا سامان و ٹنگ دھوم میں لگا ہے۔ وہیں چل کر آئیں کریں گے
اس نے انتہا میں کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمہارے پاس وقت ہے؟“
انتہا مروٹھ کے بڑی سیدھی سے سر ہٹا کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک

رہی تھیں۔

شیش کے وٹنگ دھوم میں کھٹی دھما، ایک بڑی بڑی ہڈی گری ایک طرف ایسا
کاٹھڑا سا سامان، چھت کو کھٹا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

اٹھائے کہا: اس وقت چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے:

رات کے تین بجے اب تو چائے والا اپنی اپنی دکان بند کر کے صبا ہو گا۔

انتہا مروٹھ کے کہا: چائے والا صبر و بردبار ہے، سوئی رہا ہو گا تو میں اسے
جگہ کے چائے بخواتین ہوں؟

تھوڑی دیر کے بعد چائے آئی۔ پتالوں پر سے گرم گرم چائے شیش ہوئی، پتالوں
پر اٹھتے ہوئے ایک کالی ہوئی، ایسا اسحاق اور وہوٹھ کے لپٹی اپنی کمر سیاہ قریب کے کھانا
ایسا اڑی پڑی پانی کو دوڑوں ہاتھوں میں اٹھا کر اسے اپنی گھٹیلوں میں آہستہ سے
گھماتے ہوئے بولی: ”چائے کھنی آگیا ہے، کھنی دور سے تھی سے، کھنے دور کے
ملکوں تک پہنچی ہے۔ کھنے ہی گھنوں، نسلوں، نسلوں کے تھوڑے تھوڑے تھوڑے تھوڑے تھوڑے
سہاں پر وہی ایک منہ زار آٹھ لے آتی ہے، یہ بھی سی چائے کی تھی؟“

مروٹھ کے کہا: ”چائے ملا ہے، مگر کھانا کھانے میں دیر لگے گا، میری
ٹنگا یا تھوڑے بچے سیکر لائی ہیں، ان کی نکتہ غالب ہے، میری ایک بھئی ہے، وہ موٹری
برہمن ہے، تھی ہے اور میری ماں سکین میں رہتی تھی اور موٹری برہمن ہے، میرے وقت میں
میری ماں، چلنے میں کو آ کر لیتی رہی، آخری دم تک سے اپنی بیوی کے آٹھ کھانا نہیں دے سکی
لوگوں نے، چاہے وہ کہیں کے بھی ہوں، مگر وہ لوگ جو کھانے کھاتے ہیں، انھوں نے ایک کھان
کو دوسری بیوی سے نہ ملنے دیا۔ یہ نا اُمید کی کے کھانے تک انسان کے سینے پر لگے
ہیں گے، اوسے میں کہتی ہوں، رنگ، نسل، قوم، مذہب اور ملک کے کٹکات کو رہنے دو۔
ان کے کہہ جانوں کو بھی بے قرار نہ کرو، لیکن دونوں کو ملنے دو، کہیں تو ایک مشترک زمین، ایک
ہاتھ لٹ رہا ہے جہاں ہر طرف کے انسان سر ہڈی بٹھ سکیں، یہاں وہ بیٹھے اور نہ وقت
ایک دوسرے کو پرہیز کر سکیں، اب تو یہ پروا کتنے غلاموں میں چھاپا ہوا ہے کہ کچھ بھی لڑائیں کچھ
تھوڑی دیر تک نہ سوئی رہی، تینوں غلاموں سے چائے پیتے رہے پھر اسحاق نے
آہستہ سے کہا: ”بہت پریشانی ہوں اور میری گھن کی گھنیں آگیا۔ میری طرف کھجے۔ میرا
نام اسحاق ہے۔ میرا نام رام لال نہیں ہے تو کیا اسی لئے میں غلام ہوں؟ یہ تو گھن ہی کہتے
ہیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں، مگر اسحاق تلفت ہے تو میرا بھی تو نام لال سے تلفت ہے
تو وہ غلام بھی تو رام لال سے تلفت ہے۔ تو تم گھن ہی تو رام لال سے تلفت ہے؟“
انتہا مروٹھ چپ رہا۔

اسحاق لیٹنے سے پوچھا: میں مسلمان ہوں، میرا نام اسحاق ہے، میری بیوی میرا
ملک کی ہے، میں پر میں سے تو تھوڑے تھوڑے غلام پائی ہے اور جیسا سے پائی گا، لیکن تم
ہاتھ جو، جب وہ دھت آئے، جڑے تھوڑے، پھیلے تھوڑے، ہر جہاں سے تھوڑے تھوڑے
ہیں کے اندر ہی نہیں رہتا، وہ دھت کے اوپر آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھتا ہے
اور اس کی فاقوں چاروں طرف پھیلے گئی ہیں، میری بیوی بندہ سے تھوڑے تھوڑے میرا

تھا بھی ہندوستان میں ہے۔ لیکن میں مثال مثال پات پات بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہوں۔ پاکستان میں اور ایران میں، مصر میں اور اٹلی میں، ہنگری اور یوگوسلاویہ میں، روس، بھارت اور روس، امریکہ اور جاپان۔ چین اور کولمبیا۔ جگہ جگہ میں اپنے نام کی بارگشت شکستہ ہوں۔ کہیں پر جو کوئی میرے نام پر ٹھہر جاتا ہے تو میرے دل کے اندر زخم پیدا ہوتا ہے اور پھر اس میں سے سسٹے لگتا ہے۔ میں بہتر نہیں ہوں میں ایک جاندار ہوں۔

لوگ اس چیز کو کیا نہیں سمجھتے؟

ایسا لے کہا۔ تو میں صرف اپنے نام سے مراد ہے؟

”جیس ۳۰ سماق نے جسے نہیں سے کہا۔ مجھے ایسا اور مدد کی تھی گلو اور ایشیائی و شمال اور براعظم سہناؤں سے مراد ہے۔ لیکن میں سماق کی ہی بہت کرتا ہوں کیا اپنے نام سے پورا کرنا قدری ہے؟

”صرف اپنے نام سے پورا کرنا اور دوسرے ناموں سے نفرت کرنا قدری ہے؟“

مرد کے آہستہ سے کہا۔

”میرا نام ایک پھول ہے؟“ ایسا پلے کے پانی کی طرف دیکھتے ہوئے ہوا۔

”تم نے بہت اچھی بات کہی سماق نے ایسا کہے ہاتھ کو ہر دیا۔ تم نے بہت

اچھی بات کہی۔ اسی اچھی بات کو جس کے طالع نے بھی میں ایک اور بے ہیں۔ لیکن وہ بات

آج تک میرے ذہن میں ابھی ڈھکی اور اب تمہاری تمثیل سے سمجھنے میں پھول رہے ہیں۔

”میرے میں عبدالحمید سالک، فیض احمد فیض، احمد زبیر قاسمی، نذیر کاشمیری، مختار عثمانی،

قزاق امین حمید، باجر مسرور، محمد من عسکری، مہلو، مختار جیس، شفیق الرحمن میں

سے ہر شخص ایک پھول ہے۔ ایک کتاب ہے۔ وہ ایک انسان کی ہے۔ یہاں لوگوں سے

بھونپیں مل رہی ہیں پاکستان میں کیا، لیکن میں نے ان لوگوں کی کتابوں پر بھی نہیں۔ ان کے دل کی

دھواں شکل ہے۔ یہ مختلف سیاسی اور سماجی حقائق سمجھنے والے انسان ہیں۔ کوئی ایک

پھول کی دوسرے پھول سے نہیں ملتا، لیکن یہ سب پھول ہی تو ہیں۔ سب انسان ہی تو ہیں۔ سب کتابیں ہی تو ہیں۔ تمہا نے تو میں ایک اور بے ہیں۔ لیکن یہ سب پھول نہیں مل سکتے ہیں۔ ہندوستان میں، پاکستان میں، جنگ کرانے کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ میں سوچا ہوں۔ کیا میں بد وقت کے میں لوگوں کے سمجھنے پر ہر دھڑکنے لگا۔ جو مجھے اپنی پہلی کی طرف غریب چاہے؟ فوراً سوچ تو یہ کہ میں کی طرف کی طرف کی طرف ہے۔ صرف اپنے دماغ سے بہت کرو۔ دوسرے تمام ملکوں لوگوں۔ نہ ہیں، قوموں، انسانوں سے نفرت کرو۔ اور اگر موقع ملے تو بد وقت کے میں کہ کر سکیں۔ ان لوگوں کو بھی ایسا کہنے والے کے سر پر چڑھ گئی ہوتی تو اسے ۱۱ شہر، ہندو کروہ اسحاق نے فیض سے سرسبز ملک کے کہا۔ لیکن میں تو مجھے ایسا مسلم ہوتا ہے سمجھتا ہوں۔ ایک ہی خندق چاہوں؟

”دیکھ لے اپنا آہنی کپک سماق کے شالے پر رکھ دیا۔ اور جب وہ اپنی ہاتھ اسحاق

کو اپنے شالے پر اسوں بد وقت کی ایک تھک سا لگا۔ اسے چون معلوم ہوا جیسے وہاں میری

خندق میں کھینچ نہیں ہے۔ اس کو ایک سا بھی ہیں ہے اس جنگ میں اس سے کہیں

زیادہ نقصان پہنچا رہا ہے۔“ سماق کی کٹھن میں وہاں ہر کپک پڑ گیا۔

”دیکھ لے کہا۔ مگر فیض سے پانچ گھنٹی کر کے کہہ رہا ہوں۔ اسے اس

چلے گا۔ جنگ کے خلاف میرا ہی ہندو بہت ہے۔ میں پلاس، مختار، مجسور اور مجسور

طریقوں سے جاری رہی پاتا ہے۔ لیکن تو اب ملک میں چلتے ہیں وہاں کے نام بہت زیادہ

ہوتے ہیں، اور یہ لوگوں کے تم نے نام لے، ان سے بھی زیادہ پلاس کے لوگ اس کے ملک

میں ہوں گے جنہیں کوئی جیس جانی، اور ایسے ہیں چارے لوگ تو ان کے ہر کرنے میں

شب دور ہو کر آگے ہیں۔ اپنے ناموں، اپنے مذہبوں، اپنے کچھوں، اپنے خاندانوں کے

ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہاں میں زندگی میں کچھ پاتا ہے۔ میں نہیں گزارنے کا پورا

پورا حق ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے پیاروں کے نام پر یا مظلوم کے نام پر کسی

ازم کے نام پر کسی مذہبی یا ملکی عقائد کے نام پر ان کے سر پر بدوق کے ٹکڑے چڑھ دوڑے۔ اسل
سول رہے۔ وہ تو جتنے کوئی ملکی انسان کے باق سے بدوق چھین لی ہائے اور اس کے باق
میں ایک ٹھیل دیدیا جائے۔ تم ہلالتے ہو جب ایک انسان ایک پھول کے کا پتے کی دشمن
سے لٹنے کے باق کو سے تو قریح الحق معلوم ہوگا۔ ہو گا کہ نہیں ہو۔

اسحاق جینے لے گا۔

مرد کو لے گیا۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بدوق چھین کر اس کے باق
میں پھول دے دینا۔

اسحاق نے اس کاٹ باٹ کر ایسا سے کہہ کر ہم چل دیا۔ جی ہو۔ ہمارے سبکے
انسانی مشن کے سامنے کو آج ہمارے کام کے کو کہا تھا۔

وہ پر دھڑام تو قصار کی بیٹ نے ہل دیا۔ اب تم اکیلے ہی اس پیشا کو دیکھو گے
تو آج ایک باق۔ اسحاق نے کہا۔ کس چل دیا۔

”نہیں۔ مجھے آتی ہی ہا نا ہو گا۔“

”ایک دن میں کیا تو کی بیٹا ہے گا۔“

”نہیں۔ یہ آتی ہی ہا نا ہو گا۔“

”اب تو تم کو کونسی ہے جو چاہتا ہے۔ یہیں ایک دن جی رہنے کے لئے

نہیں کہ رہا ہو۔ چند گھنٹوں کی بات ہے۔“

”نہیں۔ یہ تو کونسی کاڑی سے جانوں گی۔“

”جی جی جی یہ وہ اسحاق نے سکڑ کر کہا۔ مگر ایسا بالکل مسکرا رہی تھی۔ اس کو

پھر بدوق تھا۔ اس کے ہونٹ اندر کو چھنے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ

گئی تھیں اور اسحاق ابھگے۔ مجھ کے کس سے۔ نہ جو یہی بڑی بات کہہ دی۔ وہ ایسا کاس

تھرا نا کو کر رہی۔

اس نے ایسا سے پوچھا۔ ”بھئی۔ تم نے کیا کوئی ایسی ہی بات کہہ دی۔ جو تم نے
میں مٹا دیا۔“ اس سے تو مجھے صاف کر دو۔ ناوام۔

ایسا جی۔ تم نہیں جانتے۔ تم نے ناوامتہ طور پر مجھے کسی واقعے کی یاد دلادی۔
”کیا۔“

ایسا بہت دن چپ۔ جی۔ ابھی چاروں طرف سنا تھا۔ ابھی پڑھتی تھی۔ ابھی
کوئی گاڑی گزرتی تھی۔ ابھی کسٹیشن پر مکمل خاموشی تھی۔

”ایک ایسا لے گیا۔“ کچھ کچھ بے سلاطین ہوتا ہے۔ یہ جیوں کسٹیشن ہے۔

”جی۔“ یہ ناوامتہ ایک گاڑی کا تھا۔ کر رہے تھے۔ جنگ کے دوران جی۔ میں نے جنوں

بنا کر ان کا نام دیا۔ جی۔ جی۔ نو۔ جی۔ جنوں سے جگہ کر جیوں پہنچ گئے تھے۔

”جی۔“ میں نے تو تم سے سنا تھا۔ آئے سے اس کو کر دیا تھا۔ لیکن یہ بے خاند کے ماں

بچہ کو کر رہی تھی۔ اس نے وہ ہمارے ساتھ تھے۔ جب اس کے ہمارے پارک لے کا

موسیٰ آقا جگہ ہمارے کر رہے تھے۔ انھوں نے تاروں سے چھانے کے لئے جیوں

دور کے ہونٹوں سے حدود سے ابھریا۔ پہلے میں جیوں گا۔ وہ تو لے پا کر دوسرے

دن فلاں گاڑی سے میرے شوم کے ساتھ پڑی جیوں پہنچ پڑا لے گا۔ اور جیوں کو

پھینک کے لے گا۔ وقت کسٹیشن پر پہنچ پڑا لے گا۔

”جی۔“ وہ سب دن ہم لوگ وقت پر پہنچ کر کسٹیشن پر گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن اس روز وہ گاڑی نہ آئی۔

وقت گزرا گیا۔ گزرتا چلا گیا۔

”جی۔“ وہ سب دن ہم لوگ وقت پر پہنچ کر کسٹیشن پر گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن اس روز وہ گاڑی نہ آئی۔

وقت گزرا گیا۔ گزرتا چلا گیا۔

”جی۔“ وہ سب دن ہم لوگ وقت پر پہنچ کر کسٹیشن پر گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔

اور سیدھا دھننا ہوا اپنے کھنچ میں گس گیا۔ اندر دوا رنگ دھم میں جا کر اپنے صوفے میں
وجہیں لگیدیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھریے ہوئے تھے اور اس وقت تک اس نے کوئی
اتحاد نہ کیا تھا کہ وہ اس کمرے میں لگایا نہیں ہے۔ جب تک ایک طرف سے توازن
ڈالے۔

”میں تک سے تھکلا اٹھلا کر رہا ہوں بھئی۔“
اسحاق نے پلٹ کے دائیں طرف دیکھا صوفے پر مٹائی بیٹھا تھا۔

اندو اب کو پتہ نہ چل رہی تھی۔ اور وہ جوت۔ صوفے اور صوفے کے کناروں سے تنگ ہونے میں
سے اس میں دوا سے کھلے ہوئے کا دھڑکے دو دانت صاف لٹک رہے تھے اس کے
جوت کھلیا جیسے تو نہ تھے۔ چہرہ صاف کی کیفیت کا آئینہ نگاہی نہ تھا۔ مٹائی بد صورت تھا۔
مگر اتنا بد صورت تو کبھی نہ تھا۔ اس کے منہ اور۔ رشت کے اندر حال میں اس کی شخصیت کے
پر تو یہ کی مٹائی تھا۔ تھے مگر اتنا حقیر تو وہ کبھی نظر نہ آیا تھا۔ آج وہ کچھ ٹھیک لگتا
ہوا۔ مہربان ہوا۔ غم مریا ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔

”تاک ایک سماقی کے دل میں ایک نیوالی۔ اور اس نے مٹائی کا ہاتھ دوسرے
پکڑ کر کہا۔“ جمیل نے یہ سنا تو ہے۔“

مٹائی نے ہونے کی کوشش کی۔ دو ایک بار مٹائی اس کی گردن میں اور پر سے
بچے تک گھوما۔ چراس نے ساتھی پٹائی پر سے پٹائی کا بگٹ اٹھایا۔ اور اسے لپٹے ٹھٹھ
سے لٹکے مٹائی ٹوٹ پٹائی پھینکے۔

جب وہ پٹائی پٹائی کا تو اسحاق نے اور بھی گھر اگر مٹائی کا ٹٹٹ پکڑ لیا۔ اور اسے
جھنجھوڑتے ہوئے ہلا۔ ”سوئے کیوں نہیں کیا ہوا ہے جمیل؟ صاف صاف بتاؤ۔“
مٹائی نے کہا۔ ”بے بی باطل ٹھیک ہے۔“

اور جب سماقی کا بیل کی ٹیر پٹائی کی طرف سے اٹھیا تو اس کی گردن میں
دوسرا نیوالی آیا۔ اور اس نے فٹے سے مٹائی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”جمیل ہے بی نہیں ہے
اس کی کوئی باتیں برس کی ہے۔“

مٹائی نے کہا۔ ”میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں۔ جب وہ انیس برس
کی تھی۔ اور باطل ہے بی کی طرف بات کرتی تھی۔ میرے تو وہ ہمیشہ بے لہجہ کی :
اسحاق نے پوچھا۔ ”تم پہلی بار اس سے کیسے ملے؟“

مٹائی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور اس کے دونوں پہلوؤں پر ہنسی چمک

اس وقت اس پہلی نظر کے بارے میں اسحاق کو مٹائی کا چہرہ بڑا ٹھیک سا
معلوم ہوا۔

یوں تو چہرہ الگ ہوتا ہے۔ منفرد ہوتا ہے۔ جیسے دالے کی شخصیت کا
منبر ہوتا ہے۔ مگر اسحاق کو مٹائی کا چہرہ اس وقت بہت جگہ ٹھیک۔ بہت ہی ٹھیک
بہت ہی منفرد معلوم ہوا چہرہ صرف شخصیت کا منبر نہیں ہوتا۔ وہ حالات کا انداز ہوتا ہے
اور موڈ کا تصور۔ اور خاص خاص موقعوں پر روح کی شکل کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اسحاق نے
بہت غور سے مٹائی کی طرف دیکھا۔ جیسے وہ استانی پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ ”تسا ہوا چہرہ۔“
پتلا رنگ کو جسے رخساروں پر چمک کے خفیف سے نشان، مٹائی جاگ بواں کے اوپر
ٹھیک طرح سے انھی ہوئی۔ مٹائی مٹائی کے اندر آنکھوں کی پکڑ پکڑ کی کیفیت کے عجیب سے

اسحاق نے آہستہ سے پائل کو جگ پٹائی پر سنا خاکریز سے کہہ دیا۔ "پھر اس نے ایک سگرت منگوا لیا ایک مٹائی کے غوص میں رکھا۔ اور سگرت ۵۰ تے ہوئے ہیں۔" قیس نے پائل سے کس طرح کی محبت ہے؟ تم نے کبھی سوچا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم قیید سے کس طرح کی محبت کرتے ہو؟ تم اسٹیک بھائی کی طرح پکا جتے، ایک عاشق کی طرح؟ دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔"

"سگرت پیٹتے پیٹتے مٹائی کے گھے میں چننا خرچ کیا۔ کھائے کھاتے بے دم وہ گیا۔ اسحاق نے اسے پھر پلانڈیا دیا۔ جب اس کی سانس کی آمد و رفت ٹھیک ہو گئی اور جب وہ ٹھنڈا چڑا سب بھی مٹائی نے اسحاق کے سول کو کون سا جواب دیا۔"

"اسحاق کو اس نے غلط پریشانی نہ دی۔" میں تمہارے لئے نائٹے کا آئینہ دیدہ ہوں؟" اسحاق سولے سے اٹھتے ہوئے ہیں۔

"میں نہیں دیکھتا۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ مٹائی نے بیاہک بڑی سختی سے کہا۔ اور پھر ایک دم ٹپک ہو گیا۔"

"اسحاق نے کہا۔" قیس قیید نے یہاں بھیجا ہے؟"

"ہاں؟" مٹائی نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "قیید نے مجھے سب بتا دیا ہے! بچے؟"

"سب؟" اسحاق نے پوچھا۔

"میں سب کہہ چکا ہوں؟ قیس نے اس سے محبت کرنے کی کوشش کی کیسے بری پہلی نے قیس کو دھڑکڑایا۔ قیس نے اسے شرب پکڑا کر اس کی قوت میں پانا ہی، قیس نے اپنے آپ کو بھائی کیسے تم جو ایک میری غیر ملکی میں اس کے گھر کے پڑا کا تھے جیسے اور وہ ہر بار قیس کو گھرائی رہی آخر تم نے اس سے شادی کا انتخاب کیا مگر میری ہے لی

زمانہ اور اس نے قیس کو دھڑکڑایا کیسے تم نے اسے چاہنے کی دھمکی دی۔ اور تم یہاں آ گئے۔ میری بے بسی دہری رحمت ہے اس نے مجھے سب بتا دیا۔ وہ میں پناہی کر تم مرد یا کوئی بھی مرے اس کے لئے۔ وہ تمہاری جان بھانا پناہی ہے اس لئے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں قیس یہاں آ کے بگھاؤں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم پناہی ہو کر ایک عورت کی قوت لو گے۔ میں تمہاری بڑی محبت کرتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا میں ایک سناہ کو پا لیا ہوں۔ بچے؟"

"آپ نے مجھے نہیں پلا سٹرا۔ اسحاق نے ٹھنڈے سے کہا۔" میں آپ کے بے بسی نہیں ہوں؟"

"میں نے تم کو شرب پائل کمانا کھلایا۔ تمہارا ایک طریقہ محبت سے بڑا دلکش کھایا۔ اور تم نے میرے ساتھ ایک مسلک کیا۔"

"مٹائی پاگل وحشت زدہ ہو کر پھل پھینکنا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسحاق کو انہوں نے کھانے کا۔ وہ سولے سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں بیٹھنے لگا۔ مگر اس کا فضا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مٹائی کی طرف بڑھا اور اس کے کندھوں پر قیید تھی سے اپنے دونوں ہاتھ لگا کر ہوں۔ تم موتی دم مٹائی بڑے الحق ہو کر دے الحق۔ قیس کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ گوربت کھانہ دارم، انگر، فرنگی، روپیہ پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی پناہی ہے، وہ جو تم دے سکے، جو تم دینا چاہتے تھے، مگر دے سکے۔ بیج ٹولف میں آج قیس بتانا ہوں کہ تم دراصل ایک بھائی کی طرح نہیں ایک عاشق کی طرح اسے چاہتے ہو مگر تمہاری محبت ہی نہیں تھی۔ تجھے بدلہ تم نے کئی تک ہو کر کو بند۔ ہوں پر پہلوں یا شرب کی دھمکیوں کی طرح غریب اور اس طرح تم نے مجھ کو ہلکا یا غور دے کہ اباد کے مومن ایک محبت کی محبت کو غور دینا چاہا۔ مگر تمہاری محبت نہ پڑی کہ تم چاہتے ہو اسے انکار کر کے کہ تم اسے کتنا چاہتے ہو۔ ہوا تم سے دو پہیہ تھے

اور مراد تھا داخل کا چٹا گیا اور اندر ہی اندر بند ہوتا گیا اور تم سے ہاتھ نہ لگ سکے اور تم نے اپنے گھٹیل میں ایک صورت کے بھا سے ایک بیل، ایک بچہ ایک مصوم دیوی کی تصویر لکھوائی۔ مگر انکے حقیقت یہ ہے کہ تماری بیل، تمھاری بیل ایک بیل نہیں ہے بچہ نہیں ہے۔ مصوم دیوی نہیں ہے۔ کھادری نہیں ہے۔ اور اس وقت بھی ایسی نہ تھی جب وہ انیس سال کی تھی، اور تمھارے پاس بچنے کے لئے آئی تھی۔ وہ اس ذات میں ایسی نہ تھی، جس ذات تم نے یہ متعارف اس کے لکایا۔ آج میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ تم سے چھ سال تک مجھرت ہوتی آئی ہے اور تم مجھ سے سال تک اپنے آپ سے جھوٹ لٹتے کہتے ہو ۱۰ چنے آپ کو فریب دیتے آئے ہو ۱۱ یہاں تک کہ آپ کا آنا تمھو نہیں ہے۔ تمھنے خود ہمارے چھ سال سے اپنے آپ کو فریب دینے لگا، آئی یہ تمھاری آنکھوں سے اس فریب کا پردہ چاک کرتا ہوں، لیکن وہ میری نہ ہوتی ہے کہ وہ تمھاری بیل سوگ کی دیوی نہیں ہے۔ میری مولا ۱۲ مہائی کھنڈ کھنڈ ایسے میں نکلا میں آئی تم سے کہتے ہوں، تمھاری بیل اتنی ہی پاک و صاف ہے جنہیں وہ عورت جو یہ ذات ایک نئے ہوئی کی خوبصورتی سے بہتی ہے۔

مہائی نے پائل کو لب اٹھایا اور اسے زور سے اسحاق پر کھینچی مارا۔ اسحاق ڈر گھوم گیا اور کافی کا لب دھارے لگ کر کمر زور دے کر جانا کے لئے کھڑے ہو گیا۔ مہائی ایک کرسی اٹھا کر اسے مارنے لگا، اسحاق نے اسے پکڑ لیا، مگر مہائی زور دے مارنے پھینٹے لگا اور اس وقت تک اس نے اسحاق کو پھینٹا بند نہ کیا۔ جب تک اسحاق نے اس کے جڑ سے پر زور سے ایک گونس نہ دیا، گونس کا کہ مہائی زور سے پکڑ کر اسحاق کے بستر پر گلا اور گرے گی اس کو بند نہ کر پھینٹے لگا۔ پر وہ اسحاق اس نے وہ خوب بدتمیز پچاٹھو چھاپا اور اس کے سر تک کر دئے لگا۔ وہ اس حالت میں رہا جیسے اس کی دھڑک نہ ہو۔

مہائی نے جیسا کہ وہ اس طرح آکر لگا کر جیسے کسی جانور کے گلے پر تھاپ ہے چھی۔ کہ وہی ہو۔ وہ اس طرح جتا جیسے اس کے سر پر آسمان گر پڑا ہو اور کافی کے بگ کی دھڑک نہ کر پئی

کچی ہو گیا ہو۔

اسحاق نے اسے کہہ دیا، اس نے اسے دے دئے دیا۔ وہ مزید پر لگ کر کافی کے تختے پر پڑا اور انھیں کشاکش کر کے اس نے ایک دیوال میں جکڑ دیا۔ پھر اس نے ہاتھ میں ہانک اپنے ہاتھ دھوئے اپنا منہ صاف کیا، پھر اس ڈنگ دم میں اگر صوفے پر بیٹھ کر سگٹ پھینٹے لگا۔

مہائی اب تک اس کے بستر پر اونچا چلا تھا۔ مگر اس کی سسکیاں بند ہو چکی تھیں۔ اسحاق بہت سے اپنے صوفے سے اٹھا اور اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گیا اور مہائی کی خوشی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ میرے دھیرے مہائی کے کرول اور سیدھا جکڑ لیتا گیا، اسحاق نے اپنا گلیاس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ مہائی اب سسک نہیں دے، تمھانگیں اس کی آنکھوں سے اب تک نکلتی رہے تھے۔

مہائی نے لیٹنے لیٹنے آنکھیں بند کئے ہوئے اس سے کہا: کل رات کو اس نے مجھ سے شادی کئے سے نکال کر دیا۔

بڑی دیر تک خاموشی رہی، آخر اسحاق بولا۔

”انکھوں کی یاد تو جی ہے؟“

وہ بولی: تم گھٹیل نہیں ہو، اور تم میری نہیں ہو اور تم اچھوت سے نہیں ہو۔

اس نے مجھے تم سے محبت نہیں ہو سکتی؟

”تو۔۔۔ اسحاق پر پھینٹے لگا۔ تو۔۔۔ بہت ہی کیا یہ ضروری ہے کہ

تو ہی سہی ہو، وہ چند ہو، کچھ ہو، وہ شہید ہو، یا کئی ہو، تو یہ سماجی ہو، یا گھیر شخص ہو۔

اس کی ایک کار ہو، چار سو تو خواہ ہو، چار سو تھی سے جتن تک ہو، اور سید پائیس سماجی

سے کم کہ زیاد ہو۔

پھر تو یہ محبت نہ ہوتی، اسحاق سوچنے لگا۔ یہ تو محبت کی ہری ہوئی، مہائی ان

کی سزا دی ہوئی، باؤلی اجڑی کا سینہ تلے رہی۔ مگر غیار کچھ لوگ محبت بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے پوتوں کا جو تا غریب تھے جیڑا۔

اس طرح اسحاق نے سوچا مگر مٹائی سے کچھ نہ کیا۔ مٹائی کا جڑا سوچ گیا تھا اور اس کے برہنوں سے پہو پہ نکلا تھا۔ اسحاق نے روئی سے اس کے بہو کو صاف کیا وہاں دوا لگائی، اور دو سب کام دھیرے دھیرے سے خاموشی سے کرتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد مٹائی بستر سے اٹھ رہی تھی۔ اور بولا۔ "سب میں باتوں کو۔۔۔ کہاں؟"

تھوڑی دیر تک مٹائی چپ رہا۔ ایک شدید اذیت کا احساس اس کی آنکھوں میں نمودار ہوا۔ مگر دوسرے لمحے میں خاموش ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں اس میں نظام ایک طمانست ترک کر دوں گا۔ اور بارہ گے کسی جہاد میں لڑواری کروں گا۔ ایک سا وقت میری جیاز پر مجھے فرست دینے کی طمانست مل رہی ہے۔ سوار سو دے گا۔ دو میں اب منظور کروں گا اور اب بھی پہلی دنوں کا۔ ہاں جہاد پہلے کی طرح بارہ سو دے پہلے کی طرح جہاد میں ہو گا۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟" اسحاق نے پوچھا۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی!!" مٹی نام مٹائی نے آہستہ سے کہا۔

اسحاق میرے سے مٹائی کی طرف دیکھنے لگا۔

مٹائی بولا۔ "جو کچھ تم نے کہا، جو کچھ بی نے کہا ہے۔ جو کچھ لوگوں نے کہا ہے۔ جو کچھ ان چھ سالوں میں میرے دل نے کہا ہے۔ اس کے باوجود میں میرے دل میں جیڑا کی تصویر ہے۔ وہ تو وہی ہے۔ وہ تو دمٹ کئے گی، سنئے؟" اٹھا کمر مٹائی بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسحاق کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سکھایا۔

اور جب وہ سکھایا تو اسحاق جواب تک کہنے کو نہ سمجھ سکا تھا۔ اب جیسے بہت کچھ بھگیا۔ بھیک اس سختی سے سکھایا کہ مٹائی نے پہلی بار اسحاق کی نظروں میں مٹائی کو پہو پہل دیا۔ وہ اس کے برصورت چہرے کو گھٹکتے ہوئے اور اس کے اندر سے ایک خواہش سے چہرے کو نکالتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایسا چہرہ جس میں روئی کی عظمت، اذیت کی وفا، اور برہنوں کے تجرے گھٹے ہوئے تھے۔ یہ صدق و صفا، یہ بہو وفا، یہ ایک بے گناہ ہے۔ کنا۔ پاکیزہ ہی پاکیزہ جذبے سے نمودار شدہ عورت۔ کوئی کہتا ہے آج ہمیں وہ بڑے صوابی ہو رہی ہیں، کون کہتا ہے۔۔۔!!!

اسحاق کی آنکھوں میں آنسو پیچھے سے لگے۔ وہ اسے کچھ نہ سکا۔ اس سے بات تک نہ لگا۔ مٹائی نے اپنی اپنی آٹائی۔ اسے اپنے سر پر رکھا۔ ایک بار بچہ بھی لگی۔ شہابی ہی نکو سے اسحاق کی طرف دیکھا اور اگھر غریب میں رہتا۔

اس نے اسی ٹوپی اوپر اٹھائی، اسحاق کو سٹم کیا اور باہر چل گیا۔

اسحاق اس کے پیچھے پیچھے برآمدے تک گیا۔ مگر اس نے اس سے کچھ کہا نہیں۔ اسے معلوم تھا کہ آج کے بعد وہ مٹائی کو بھی نہ دیکھ سکے گا۔ کئی عرصہ اس میں اس کی گھٹش دوڑنے لگی۔ مگر سالوں پر اس کا دل بیڑا رہا۔ ہر گھر کے گا۔ کئی سالوں اور زینوں کی اپنی پرستاروں میں اسے ڈھنڈھ آئے گی۔ اور وہ کوئی نظر نہ مل سکے گا۔ اور کوئی آئینہ اس کے لئے باقی نہ رہا۔ ہائے گی اور پھر بھی وہ محبت کرتا ہائے گا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو کچھ کہتے نہیں، جو کچھ حاصل نہیں کرتے اور کچھ پاتے نہیں اور اپنی زندگی کو سلا اندر دھت۔ ایک پہننے تیرا نگ دیکھتے ہیں۔

اٹھا اکھون سا ہلاو۔ نہ ہاں کو کون سا چیرا۔ بیان۔ گھٹے کو کون سا اٹھا رہی گی

اس کی عقلی کا تہذیب کا سنگ ہے۔

اور اس کے لئے :

آئی اس کی زندگی کا تہذیبی دنیا اس سے اس کے علوم و ہرگز وقت کب موزا
کھینچے گزرا، آج اس کے نام نہ نہیں دیکھا، کھانا باغی دیکھا، اس کے باغی دنیا، وہ اپنے
خیالوں میں ہی نہ کہو بار بار اور ہر گزرت دنیا، اور کچھ سوچا کہ بلکہ کچھ سوچا کہ کچھ سوچا کہ
میں سامنے لیے ہو گئے تو وہ ایک آدمی کی نظر میں اس پر دلا نہ ہو گیا، اس میں ہر ہاں گھر آئے
تھے، اور اس کے علوم و دنیا، وہ سوچا تھا، اپنے خیالوں میں مستغرق تھا اور اس کی تصویر
سینا کی فکر کہ اس کے ذہن میں باقی ہاں ہی تھی۔

بارش کی ایک بوند اس کے پاؤں پر چری، ایک بوند، ہر دو بوندیں، چوتھن بوندیں
ہر دو بوندیں، ہر دو بوندیں اس کے ہاتھ میں سرایت کر گئیں، پیلے اس کے جوتے جیکے، چر
قیضیں پیکیں، چر چقیضیں پیکیں اس کے ہاتھ میں ہر گزرت جی جیکے کر ہو گیا، اور کون
اساق کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں خداوندی نالے اور دیا ہوا ہر دو بوندیں
اس کے دل کی جانب بڑھ رہے ہیں، چرواہوں سے پہلو پالنے سے جو جی، اور تانہ و دم ہر گز
خواروں، گوں نسوں اور شرارتوں میں سے گزرتا ہوا جسم کے گوشے گوشے میں ہر گز
رہا ہے، اور جب وہ بارش تھینے کے بعد آدمی کی سر سے اٹھا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے
بارش نے خداوندی سال کے کہنہ ناسور منہ کی دینے ہیں اور دل کی ہر دو بوندیں پانی سے اس
قدور سوز و شاداب ہر گز ہے کہ وہ بالخصوص کھانے سے انہوں کی کڑواہٹ کو بھٹکتی تھی جب
یہ ایک اسے خیال آیا کہ اس کی عمر سو سال کے میدان میں جا رہی ہے۔

اس خیال کے آئے جس دن اپنی سوچ سے نکل کر ہوا، جو گیلے پلاؤں میں رہا تھا
گیا، اس وقت بارش تھین گئی تھی اور ہاں آسمان پر چھٹ کر ٹپ ٹپ ہوتے ہاں رہے تھے

ہواؤں کے فوٹو گزرتا، جو ٹپ ٹپ کے گیلے چن کو اس کے کپڑوں کو کھارہے تھے اور وہ
جہاں جا رہا تھا۔

تروری کے میدان کے قریب ایک ٹیلے پہنچ کر وہ لگا ہوا، ٹیلے دیکھنے لگا۔
ٹیلے تروری کے میدان میں کوئی نہ تھا، ٹیلے کے پچھلے مذہبی بہرہ ریزی، ٹیلے کے
پارکدہ کو پچھلے کوٹھا، کیم کے ٹیلے کے ایک جانب سے مرو کی آہٹا، آہٹا آہٹا، آہٹا آہٹا، آہٹا آہٹا
وہ اس کی منہ جاتے ہوئے کیم کے پچھلے کے دوسری جانب سے واسطی کی جی آہٹا آہٹا
سر ٹھکانے پچھلے کوٹھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، ہر دو ٹیلوں نے منہ جاتے کیم
آہٹا دیکھا، مگر وہاں کوئی دو ٹیلوں کے ہوا کوئی نہ تھا، کچھ ایک اس دو ٹیلوں کے قدم تھے
گئے، ہتھوڑا ٹیلوں نے تقریباً دوڑتے ہوئے لے کیا، اور جب وہ دو ٹیلوں کو کیم کے
پچھلے ٹیلے کے پچھلے ٹیلے کو بے اختیار ایک دوسرے سے جھلکی ہو گئے، اور پچھلے ٹیلے پر
سے دیکھنے والے اساق نے اساق کے ٹیلوں کا جیسے وہ جو پیلے آہٹا اور دوسرا آہٹا آہٹا پورا ہو
گیا، وہ جس کا ہوا نہیں تھا، جس کی ٹانگ نہیں تھی اور ایک کیم میں تھا، وہ اساق کو
پچھلے ٹیلوں پر گیا، اور ایک ٹیلے پر سے اساق کا دل مرثا ہو گیا، اس نے کیم کر
اپنے چاروں طرف ٹیلے پر سے دیکھا، اب ایک ایک کیم کے دایوں، گنا ٹیلوں، دوسرا ٹیلوں
اور ٹیلوں پر سے کیم کے ہاتھ میں تھا، کوئی اور اساق پکڑے تھے کوئی
اپنا ہاتھ اٹھانے تھا تو کوئی چلی نہیں سے باہر نہ آیا، ہوا کوئی نہ تھا، ہوا کوئی نہ تھا، ہوا کوئی نہ تھا
لوٹوں سے ہوا نہیں اور وہ زمین کی کڑی آہٹا، کھانے کے قدم سے کیم کے
کار رہی تھیں، اور پچھلے ٹیلوں سے دوڑنے اچھلتے کودتے بھاگتے ہوئے ہوا کوئی نہ تھا
چماتے ہوئے چلنے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ مرو کی واسطی کی خوب اور دوسرا ٹیلوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا، "صرف زندگی
مقدس ہے، اس کیلئے آسمان کے لئے اس دھرتی پر صرف زندگی مقدس ہے، زندگی ہے

آج بہت ہے، زندگی ہے کوئی ملک ہے، زندگی ہے کوئی قوم ہے۔ کوئی مذہب ہے اور کوئی سانچہ ہے اس کے لیے ہے جہاں شے اور جگہ ہے جہاں اور زندگی نہیں ہے کوئی کچھ نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس دور کی پر اس زندگی کی ہمیشہ مخالفت کریں گے۔

ہزاروں ملکوں سے زندگی سے محبت کی صدا بھرت چلی۔ اس نے تین آسمان کو گونجا دیا۔ ایک قریب کے ایک ٹیلے پر دو رنگ دھانگ مٹائی جسم نمودار ہوئے۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ بھوکے ہوئے۔ مائیں اسیں اور بھوک کی جڑ میں کھد کر گمانے والے۔ وہ وطن پر ایک سیاہ فام ملک کی کھڑے تھے اور میریت سے اس ملک کی گنت تھے۔

انہیں دو کچھ اس مافیائی آبادی کے زندہ رہنا ہوگا۔ صرف اپنی اپنی جہاں جہاں

عہدید کو بچانے کے لیے نہیں۔ اپنی دس جہاں جہاں بربریت کو مٹانے کے لیے بھی۔

پھر اس ملک کے دل میں مہا دیسا کے قصیر کے ملک اپہ کا نیاں آیا اور اس نے سوچا ہے زندہ رہنا ہوگا۔ اس ایک تریاں کو واپس لانے کے لیے اور اپنی جہاں کے استیشن پر آئی نہیں۔

پھر اس کے دل میں ملک کی ہے کوئی بہت کا مہال آیا اور اس نے سوچا اس کھلے آسمان تلے اس بڑی بہت کی مہال تلے۔ خود کھلی کرنا بہت کی سب سے بڑی توجہ ہوگی۔



● ماکرشن چندر دیش کے مقدمہ میں جج ران کا سفر نقطہ نظر ہے۔ وہ سب سے پہلے ہی کرشن چندر سے اور سب سے آخر میں کرشن چندر اس نے انھیں قریب ایک افسانہ نظر کو اپنے اوپر غالب نہیں کرنے والا۔ شاعر ہر جگہ کہتا ہے کہ زندگی کو بھنسنے کی ضرورت ہے۔ وہ زندگی کو کھینچنے کے لئے انھیں مخصوص رنگ کے شیشوں کی مدد نہیں لیتا۔ اس کو اپنی آنکھوں پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا فسانہ زندگی کا ایک ذاتی اور بلا واسطہ تاثر ہے۔

— خیر، حسن، مگر

● وطن اور دیارِ اجداد کی راہیت اتنی ہی ہے جتنی مزار اور موقوفہ کی۔ جیسا کہ میں تو یہاں آؤں گا کہ میں کس کی عظمت کا پروردگار نہیں جانتا ہے۔ اور زبان و بیان کے وسیع سے چند کھنڈ کی مست ہو جائے۔ میں حقیقت یہ کہ نہ تو تھا اسلوب بہترین کی عمارت کو نہ ہی کیا جاسکتی ہے نہ اس کو نظر آنا لگا۔ کاش چند افسانہ نویس کے اس نام پر میں حیرت و غم واقع ہیں کاش کونستہ پر فائدہ نہ لکھتے۔

● مکش چند اندک سے سراسر شاعر تھا۔ اس نے اپنے افسانوں کی نگارش کی بشرطہ جانی کی کہ کوشش کی فکر اس میں ناگوار نہ ہو، اور پتا چلی کہ اگر کامیاب ہو گا تو اس کے لئے کیا تیار ہے اور وہ اس کے لئے کیا کرے گا؟

● وہ اپنے غمگین بننا انداز بیان کے خود ہی نمونہ اور خود ہی غمازیوں ان کلاسیک انکار ترقی کا کیا
تقریرت ہوتی ہے کاش میں ایسے نمونے ملتا ہوں جو اس ایک کھنکھاتی کھنکھاتی میں شوق و امان سزا
اور حقیقت جڑاں لپیٹ کر اس طرح بوندوں کے کھنکھاتی میں زہر پھانسی چلتے، اور وہ بد و فخر ہے جو حقیقت کا تہ
کو تہ پہنچ کر کوشش کرے کہ اس طرح کے اسلوب بیان میں وہ نہ صرف اپنے ہمسایوں کی کجی دیتے ہیں بلکہ اپنے دوستوں
ساختہ کھنکھاتی دیتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ وہ اپنے اسلوب کا اس طرح ایک نئی شکل کا کارخانہ بنائے کہ اس کا ہر ایک
ہونے ہے، یہ نہ کہ اپنے دوستوں کی کجی دے کہ کوشش کرنا کہ اس طرح کے اسلوب میں وہ اپنے دوستوں کے اسلوب
کے خشک اور زہریلے دھندے کو اس کی دلکشی اور دھندائی کے ساتھ دھنکے میں لے کر وہ اپنے غمگین بننے کے اسلوب کا
سے ہی زیادہ دل آویز نظر آنے لگا۔

— کہنے والا ہو